ساقی ارباب ذوق
0305 6406067
PDF Book Company

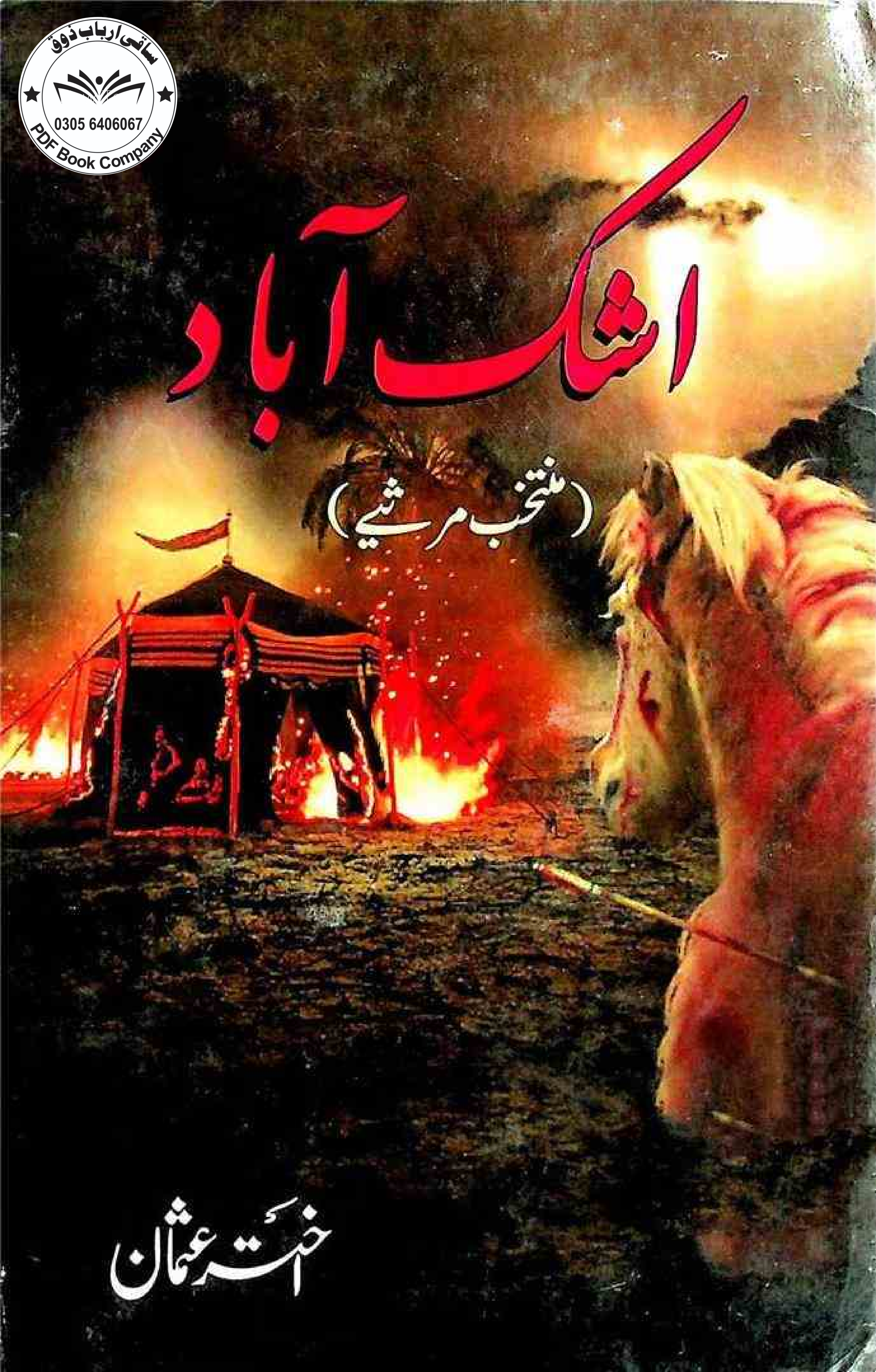

ساقیِ اربابِ ذوق

PDF BOOK COMPANY

مدد، مشاورت، تجاویز اور شکایات :

Muhammad Husnain Siyalvi
0305-6406067
Sidrah Tahir
0334-0120123
Muhammad Saqib Riyaz
0344-7227224

ہمارے ہم عصروں میں اختر عثمان کا علمی شغف، ادبی ذوق اور تخلیقی خروش وسیع پیمانے پر داد پا چکا ہے۔ وہ اردو، فارسی اور انگریزی کے کلاسیکی اسالیب پر فریفتہ اور جدید حسیات سے آگاہ ہے۔

اختر عثمان کی متنوع دل چسپیوں میں ایک محور مرثیہ کی روایت کا ہے جس میں انیس کا فن اُس پر سب سے زیادہ اثر انداز ہوا۔ چھتیس برس اس دشت کی سیاحی کی، اٹھارہ مرثیے کہے اور اکابر سے داد پائی۔

اختر کے تین مرثیوں پر مشتمل یہ مختصر مجموعہ "اشک آباد" وقار شیرازی اور منظر نقوی کی کاوشِ انتخاب کا نتیجہ ہے پاکستان میں اس کی اشاعت چند ماہ قبل ہوئی۔ اب معلوم ہوا ہے کہ ادارہ میٹرلنک لکھنؤ سے اِس کی اشاعتِ نو کا اہتمام ہو رہا ہے۔ امید ہے کہ پذیرائی کا یہ حلقہ اور وسعت پائے گا۔ بقول اختر:

داماںِ طلب وا ہے مجھے اور عطا کر

——— ڈاکٹر خورشید رضوی

لاہور (پاکستان)

اشک آباد

(منتخب مرثیے)

اختر عثمان

ساقی ارباب ذوق
0305 6406067
PDF Book Company

اِسی قلم سے

اردو شاعری (مطبوعہ):

قلمرو
ہمکلام
کچھ بچا لائے ہیں
ابدتاب
ستارہ ساز
چراغ زار
تراش (طویل نظم)
بیدل: ایک مطالعہ
اشک آباد (منتخب مرثیے)

زیرِ طبع کتابیں:

(اردو تنقید)
صد پارہ (طبع زاد فارسی غزلیں)
چنیدہ (اردو کی پچاس کلاسیکی غزلوں کا منظوم فارسی ترجمہ)
بھجن رس (ہندی بھجن کا انتخاب)
دیوانِ میر فارسی (مرتبہ: اختر عثمان)
زبانِ شیشہ
(عمر خیام کی رباعیات کا منظوم اردو ترجمہ)
عالمی ادب (دیگر زبانوں کی شاعری کا منظوم اردو ترجمہ)
Tranquil Poems (Selected Poems)
رونل سونل (پٹھواری شعری مجموعہ)
Razor Edged (English Essays)

اشک آباد

(منتخب مرثیے)

اختر عثمان

میٹرلنک پبلشرز
لکھنؤ

ساقی ارباب ذوق
PDF Book Company

اشاعت: دوئم
۲۰۲۲عیسوی
ایک ہزار

زیر اہتمام:
قاضی محمد زکریا

انتخاب: وقار شیرازی

خطاطی: منظر رقم
لے آؤٹ و سرورق:
وزیر حسن چندا

پروسیسنگ:
Premier Process
7-C/6 Havelock Road Colony,
Lucknow (INDIA) - 226 001

طباعت:
لکشمی آفسیٹ
سنجے گاندھی پورم
فیض آباد روڈ، لکھنؤ

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ©

© All rights are reserved.
No part of this publication may be reproduced, stored in a retrieval system or transmitted in any form or by any means, electronic, mechanical, photocopying, recording or otherwise, without prior permission of author/publisher.

Ashkabad
By:
Akhtar Usman

Edition
2022

₹ 350.00

MATTERLINK PUBLISHERS
1870, Ist Floor Lekhraj Dollar, Indira Nagar, Lucknow
E-mail: aglawaraq@gmail.com , intisharaat@gmail.com
Website: www.matterlinkbooks.com

ISBN 978-93-90887-38-5
9 789390 887385 >

اپنے مرحوم والدین
اور
اپنے مرحوم بچوں کے نام

مرحومین

مظفر علی سید، محبوب علی بخاری، خاور رضوی
رکن الدین شیرازی، سید مشتاق ہمدانی اور اختر امام رضوی
کے نام

عہدِ دَوراں کا عمدہ مرثیہ گو شاعر: اختر عثمان

اختر عثمان رواں عہد کا ایک عمدہ اور ہنر مند شاعر، ادیب، نقاد اور تخلیقی ادب کا رمز آشنا ہے۔ اس نے شاعری کی تمام اصناف کو اپنے تخلیقی جوہر سے چمکایا ہے۔ اردو نظم و غزل، نعت و سلام و مرثیہ اور منظوم تراجم اس کا خصوصی امتیاز ہیں۔ اختر عثمان نے اردو کلاسیکل شعراء کے منتخب کلام کو فارسی زبان میں منظوم کیا اور فارسی زبان کے کلاسیکل شعراء کے کام کو اردو میں بھی منظوم کیا، رباعیاتِ خیام کی کلیات کو اردو زبان میں منظوم کیا ہوا ہے جو کہ اپنی جگہ کمال کا کام ہے۔ رباعیاتِ خیام کے حوالے سے فٹز جیرالڈ کے انگریزی ترجمہ کو آج بھی مستند تسلیم کیا جاتا ہے۔ میرے خیال میں اختر عثمان کا جب یہ کام سامنے آئے گا تو خیام کی رباعیات کو مزید سمجھنے میں اعتبار و وقار ملے گا۔

اختر عثمان کے اب تک کے شعری کام میں اردو غزل کے چھ، نظم کے دو شعری مجموعے اور مرثیہ کا ایک مجموعہ اشک آباد منظرِ عام پر آ چکے ہیں۔ اردو نثر میں ’’بیدل ایک مطالعہ‘‘ نقد و نظر کی کتاب شائع ہو چکی ہے۔ اسکے علاوہ اردو، انگریزی کے کالم اور ٹی وی، ریڈیو کے لاتعداد انٹرویوز سوشل میڈیا کے مختلف ذرائع پر موجود ہیں۔ اختر عثمان بیک وقت اردو، فارسی، انگریزی، پوٹھوہاری اور پنجابی زبانوں پر کما حقہ عبور رکھتا ہے اور اسکا تخلیقی اظہار شعری و نثری صورت میں کرتا ہے۔ ملک کی کئی یونیورسٹیوں میں لیکچرز اور مکالے کی نشستیں تو روز کا معمول ہیں۔ مجلسی تنقید اور ادبی نشستوں کا مستقل مزاج نمایاں سرخیل بھی ہے۔ یہ بات کہنے میں قطعی مبالغہ نہیں کہ اختر عثمان کل وقتی شاعر اور ایک مکمل ادبی شخصیت ہے۔ ادب ہی

اس کا اوڑھنا اور بچھونا ہے اس کی مجلسی تنقید کے عمدہ مظاہر حلقہ اربابِ ذوق اور دیگر ادبی محافل میں نمایاں نظر آتے ہیں۔ اختر عثمان کے مراثی کی کتاب "اشک آباد" کے عنوان سے شائع ہوئی ہے جس میں صرف تین مرثیے ہی شامل ہو سکے۔ جبکہ اختر عثمان نے ۱۸ مراثی تخلیق کیے ہوئے ہیں۔ ان مرثیوں کے درجنوں بند بہت مقبول ہوئے جو وہ مجالس و محافل میں اکثر پڑھتا رہا ہے۔ رثائی ادب میں اس کا تخلیقی وفور، زبان و بیان کا سلیقہ، الفاظ کی در و بست اور ان کی صوت مرثیہ کے بند کو جہاں پر اثر بناتی ہے وہاں اس کی اعلیٰ فن پر دسترس ہونے کی عمدہ دلیل بھی ہے۔

مرثیہ دراصل عربی قصیدہ سے برآمد ہوا جو فارسی زبان میں اپنی انتہا کو پہنچا مگر جب مرثیہ اردو زبان میں داخل ہوا تو اپنی پوری آب و تاب سے جلوہ گر ہوا۔ پہلے پہل مرثیہ مثنوی اور خمسہ میں کہا گیا پھر مسدس کی شکل میں شاعری کی ایک اہم صنف کے طور پر بہت مقبول ہوا۔ اردو مرثیہ کو ایک صنفِ سخن کے طور پر مضبوط اور مقبول بنانے میں میر ضمیر، دلگیر، فصیح اور میر مستحسن خلیق کے نام نمایاں ہیں۔ میر خلیق ہی میر انیس کے والد گرامی تھے۔ میر انیس اور مرزا دبیر نے تو مرثیہ کی صنف کو بامِ عروج پر پہنچا دیا۔ بعد میں خانوادہ ء انیس اور شاگردانِ دبیر کے ساتھ ساتھ میر عشق، میر تعشق کے علاوہ انیس کے پوتے میر عروج اور نواسے پیارے صاحب رشید نے اردو مرثیہ کو دوام بخشا، اسکے بعد تو ہر دور میں نامور مرثیہ گو شاعر سامنے آتے رہے جنکی قطار بہت طویل ہے۔ اس حوالے سے ڈاکٹر ہلال نقوی اور ڈاکٹر تقی عابدی نے اعلیٰ اور قابل قدر کام کر رکھا ہے۔ اور نئے آنے والے اس کام کو بخوبی آگے بڑھا رہے ہیں۔

اختر عثمان مرثیہ نگاری میں کلاسیکل مرثیہ کی روایت کو تسلسل دینے والا مرثیہ گو ہے اسکے مراثی میں اردو مرثیہ کے بنیادی اجزاء کی بھرپور اور نمایاں شکلیں نظر آتی ہیں۔ دعا، چہرہ، سراپا، رخصت، رجز، جنگ، تلوار، گھوڑا، شہادت، بین اور دعا کے بند اردو مرثیہ کے

بنیادی اوصاف کا خوبصورت اظہار ہیں۔

جدید مرثیہ میں انقلابی اور عصری مسائل کی شمولیت اگرچہ اپنی جگہ اہم ہیں مگر یہ صنفِ مرثیہ کی بھرپور نمائندگی نہیں کرپائے بلکہ یہ اردو نظم کے الگ کینٹوز بن جاتے ہیں اور کینٹوز کا بننا مرثیہ کی بطورِ صنف روشن حیثیت کو مدھم کردیتے ہیں۔واقعہ کربلا کے تمام کردار ملکوتی ہیں جن میں تمام انسانی رشتوں اور تعلقات کی انفرادی و اجتماعی کیفیات، محسوسات، جذبات اور مذہبی تشخص کی واضح صورتیں دکھائی دیتی ہیں۔کربلا کے کردار ایسے کردار ہیں جن کی کیفیات کو شاعرانہ تعلی اور مبالغہ آمیزی سے ہرگز نہیں سنوارا جاسکتا بلکہ حقیقی جذبات و احساسات کی نمائندگی ہی کی جاتی ہے۔اس اعتبار سے مرثیہ گو کے پاس اپنے شاعرانہ جوہر کو دکھانے کی گنجائش کم ہی رہ جاتی ہے۔

جب کہ اس کے برعکس مغربی صنف ایپک میں شاعر کے اختیار میں ہوتا ہے کہ وہ کسی کردار کو کب بڑھادے یا گھٹادے اور اسے یہ آزادی بھی حاصل ہے کہ وہ جب چاہے اپنے کسی کردار کو ہی ختم کردے۔اختر عثمان نے اپنے مرثیوں میں اسی روایت کو چمکایا ہے جس روایت پر انیس و دبیر اور دیگر مرثیہ گو قائم رہے۔اختر عثمان کے مرثیوں میں زبان و بیان کا اعلیٰ اظہار، مصرعوں کی انفرادی بندش اور خوبصورتی کے ساتھ لفظوں کے صوتی نظام کو واضح طور پر محسوس کیا جاسکتا ہے اس کے مرثیوں کی بنت میں ایک لمبی سانس کا شاعر نمایاں نظر آتا ہے۔مرثیوں کے بندوں میں گریز کی صورتحال ایسے دکھائی دیتی ہے کہ قاری یا سامع کو روانی میں تعطل محسوس نہیں ہوتا بلکہ وہ مرثیہ کی قرات سے ہم آہنگ رہتا ہے۔اختر عثمان نے اپنے ایک مرثیہ میں تلوار کے کئی بند خوبصورتی سے قلمبند کیے ہیں جو بجا طور پر اردو مرثیہ کی روایت میں گرانقدر اضافہ ہیں اور یہ اضافہ ان پہلوؤں کی جانب ہے جن سے بعض مرثیہ گو صرفِ نظر یا سرسری ہی گزر گئے۔اختر عثمان نے انہی پہلوؤں کو اپنی گرفت میں لیا اور جدید

احساس کے ساتھ اپنے مرثیوں میں سمویا ہے۔ صنفِ مرثیہ میں یہ پہلو ہی بلاشبہ جدیدیت کا احساس دلاتے ہیں۔

آخر میں اتنا ہی کہوں گا کہ اختر عثمان نے" اشک آباد" کے مراثی میں صنفِ مرثیہ کے وقار و اعتبار میں اپنا خوش کن حصہ ڈالا ہے، یہ تخلیقی حصہ آئندگاں کے لیے باعثِ تحریک ہے اور گذشتگان کی ارواح کو سرشار کر دینے والا ہے۔ خود اختر عثمان نے اپنی کتاب کے انتساب میں اپنے مرحوم والدین کے ساتھ اپنے دوستوں کے والدین کے نام بھی برائے ایصالِ ثواب لکھے ہیں جو اسکے خلوص و محبت کی قابلِ رشک مثال ہیں۔

میری دعا ہے کہ اللہ تعالی بحق محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وآلِ محمد علیہم السلام اسے صحت و تندرستی اور اپنی نعمتوں کے ساتھ فن کی مزید بلندیوں پر فائز کرے اور اسکے جذبۂ مودت کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے۔ آمین

منظر نقوی

(اسلام آباد، پاکستان)

یہ مرثیے

مرثیہ گوئی سے میری نسبت کو ۳۶ برس ہو گئے ہیں۔ میرا پہلا مرثیہ ۱۹۸۸ میں مکمل ہوا تھا۔ اب تک میں نے ۱۸ مرثیے کہے ہیں۔ مجھے یاد ہے کہ ۱۹۸۹ میں میرے مرثیے پر ایک تنقیدی نشست ہوئی تھی جس کی صدارت جناب افتخار عارف نے کی تھی۔ مضامین پڑھنے والوں میں ڈاکٹر توصیف تبسم، آفتاب اقبال شمیم، اختر شیخ مرحوم، ڈاکٹر اعجاز مرحوم اور انجم خلیق شامل تھے۔ حوصلہ افزائی کے وہ لمحات مجھے آج بھی یاد ہیں۔ بعد ازاں مختلف مراثی پر نشستیں اور مجلسیں ہوتی رہیں گویا یہ اٹھارہ کے اٹھارہ مرثیے میرے قارئین کے ذہن میں ہیں۔

'اشک آباد' میں تین مرثیے شامل ہیں جن کا انتخاب سید وقار شیرازی اور منظر نقوی نے کیا ہے۔ انشاءاللہ جلد ہی باقی مراثی ترتیب کے ساتھ زیور طبع سے آراستہ ہوں گے۔ میں قارئین اور سامعین کا شکر گزار ہوں جنہوں نے میری ہمت افزائی کی۔ سو انہی کی پر زور فرمائش پر 'اشک آباد' شائع ہو رہی ہے۔ ارشد ملک کا ذکر از حد لازم ہے کہ انہوں نے بر موقع اس کتاب کی تزئین و آرائش کا اہتمام کیا اور یہ کام میرے قارئین تک پہنچا۔ علاوہ ازیں میں اپنے احباب کا ممنون ہوں جنہوں نے اصرار کے ساتھ ان مراثی کو شائع کرنے کی ترغیب دی۔

اختر عثمان

۲۰ مارچ ۲۰۲۱

کیست درین انجمن محرم عشق غیور
ما همه بی غیرتیم، آئنه در کربلاست

(بیدل)

فہرست

اے وارثِ قرطاس وقلم! فہم ہنر دے	۱۷
طبعِ چراغ ساز، شفق رَو ہے اِن دنوں	۶۱
یارب! متاعِ شعر کو فصلِ جمال دے	۱۲۵

اے وارثِ قرطاس وقلم! فہم ہنر دے

(شہادتِ حضرت عباسؑ)

رہتے ہیں، مگر معجزے کم دنیا میں
باقی رہا شبیرؑ کا غم دنیا میں
سُن لو کہ یہ صحبت نہ بہم ہو گی پھر
فی الحال تو موجود ہیں ہم دنیا میں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اے وارثِ قرطاس و قلم! فہم ہنر دے
اے باصر جواد! مجھے چشمِ بصر دے
اے نورِ ابد! نور سے کشکول کو بھر دے
آلودۂ ظلمات ہوں خیراتِ سحر دے
اے کوزہ گرِ دہر گل حرف کو نم دے
دریوزہ گرِ خاص ہوں شبیرؑ کا غم دے

سلطاں کا پرستار نہیں بندۂ آثم
مدحت کا سزاوار نہیں بندۂ آثم
منصب کا ہوس کار نہیں بندۂ آثم
پروردۂ دربار نہیں بندۂ آثم
افسردۂ دنیا ہوں یہی ناز ہے میرا
رم خوردۂ دنیا ہوں یہ اعزاز ہے میرا

تعریفِ غزالانِ ختن لب پہ نہیں ہے
صد شکر قصائد کا چمن لب پہ نہیں ہے
کچھ باعثِ آزاریِ فن لب پہ نہیں ہے
حق بات سوا کوئی سخن لب پہ نہیں ہے
ذکرِ شہِ دلگیرؑ ہی مقصود ہے مولا!
تو واقفِ احوال ہے معبود ہے مولا!

مدحِ شہ دلگیرؑ کے لائق تو نہیں ہوں
میں سوختۂ جلوہ یک مہر مبیں ہوں
میں ذرۂ ناچیز تو بس کفش نشیں ہوں
یہ ان کی توجہ ہے کہ اسوار بہ زیں ہوں
ہر چند کہ آدابِ فنِ ذکر ندارم
صد شکر بہ پیرایۂ کج فکر ندارم

اس ذکر کی توفیق نہیں، تاب نہیں ہے
کمزور ہے دل، طاقتِ اعصاب نہیں ہے
یہ بحرِ بلا خیز ہے، پایاب نہیں ہے
ہر ناکس و کس واقفِ آداب نہیں ہے
لازم ہے زباں چشمۂ فردوس میں ڈھل جائے
شفاف رہے مغزِ قلم، اوس میں ڈھل جائے

چلنے کے لئے ایک ہی مہمیز بہت ہے
تنکا ہوں کہ اک موجۂ کاریز بہت ہے
فرہاد ہوں میں، طاقتِ پرویز بہت ہے
مولا! جو مقابل ہے ہوا، تیز بہت ہے
چو سمت مرے غاشیہ بردار کھڑے ہیں
اسوار ہوں میں، حاشیہ بردار کھڑے ہیں

مشہور ہوں دریوزہ گرِ شہرِ معانی
ہر بار کھلا مجھ پہ درِ شہرِ معانی
درپیش ہوا پھر سفرِ شہرِ معانی
معلوم پڑے کچھ خبرِ شہرِ معانی
کچھ زعم نہیں بحر کا، نے دعویِٰ برتر
مہمل سے نکلتا ہے کہاں معنیِٰ برتر

اب گوہرِ ناپید اُگل، اے صدفِ شوق
کانوں میں گھُلی جاتی ہے آواز دفِ شوق
الفاظ نے باندھی ہے ترے پیش صفِ شوق
منصب پہ بحالی ہے تری بر طرفِ شوق
منزل کی طرف اُڑتا رہے اشہبِ خامہ
تا عمر ترے سر پہ رہے فن کا عمامہ

لو! ہوتے ہیں قرطاس و قلم مدح میں مصروف
آتا ہے نظر پردۂ توصیف پہ موصوف
کھلنے کو ہے کچھ دیر میں اب نافہ ملفوف
اک نکہتِ بے نام کہ ہونے کو ہے معروف
آ پہنچا گلستان میں رہوار صبا کا
اب صدر نشیں ہوتا ہے رہبر فُصحا کا

اے خالقِ نوروز! مرے شعر کو ضو دے
اے مہرِ جہاں تاب! مرے لفظ کو لو دے
اے موجدِ فن! ذکر کو پیرایہ نو دے
سر سبز رہیں حشر تلک فکر کے پودے
اے مالکِ ہر دور! نیا دور عطا کر
دامانِ طلب وا ہے مجھے اور عطا کر

آنکھیں ہوں مری، چہرۂ اکبر کا ورق ہو
خواہش ہے شب و روز یہی میرا سبق ہو
اس دل میں قلق ہو تو فقط ان کا قلق ہو
وہ بین لکھوں سینۂ فولاد بھی شق ہو
صحراؤں سے بھی جوئے معانی نکل آئے
ہر سنگ صفت چشم سے پانی نکل آئے

اے خالق نوروز! مرے شعر کو ضو دے
اے مہرِ جہاں تاب! مرے لفظ کو لو دے
اے موجدِ فن! ذکر کو پیرایہ نو دے
سر سبز رہیں حشر تلک فکر کے پودے
اے مالکِ ہر دور! نیا دور عطا کر
دامانِ طلب وا ہے مجھے اور عطا کر

آنکھیں ہوں مری، چہرۂ اکبر کا ورق ہو
خواہش ہے شب و روز یہی میرا سبق ہو
اس دل میں قلق ہو تو فقط ان کا قلق ہو
وہ بین لکھوں سینۂ فولاد بھی شق ہو
صحراؤں سے بھی جوئے معانی نکل آئے
ہر سنگ صفت چشم سے پانی نکل آئے

ہر لفظ میں ہر لفظ کی آواز بیاں ہو
انجام کے پیرائے میں آغاز بیاں ہو
سب زیرِ اثر آئیں، فسوں ساز بیاں ہو
گردوں سے ندا آئے کہ اعجاز بیاں ہو!
ہر سیپ کا منہ گوہرِ تخئیل سے بھر دوں
جب آنکھ اُٹھے، سوئے زمیں کھینچ لوں گردوں

مولا! درِ تاثیر کی زنجیر نہ چھوڑوں
تشنہ کوئی پہلو دمِ تحریر نہ چھوڑوں
تربت میں بھی ذکرِ شہِ دلگیرؑ نہ چھوڑوں
مر جاؤں، مگر دامنِ شبیرؑ نہ چھوڑوں
یہ طبعِ رواں قلزمِ افکار میں تیرے
میں راج کروں فن پہ بلا شرکتِ غیرے

منظور نہیں مجھ کو سفر ایک زمیں پر
حسرت ہے مجھے سیر کی ہر ایک زمیں پر
کیوں خوار پھروں زندگی بھر ایک زمیں پر
اک پاؤں پڑے بادلوں پر، ایک زمیں پر
اعدا صفتِ یائے ہوں، دولخت پڑے ہوں
مصرع کے الف سرو کی صورت میں کھڑے ہوں

یا فخرِ حرم! بحرِ کرم! یا شہِ عالمؑ!
شد عہدِ حشم، دورِ درم، یا شہِ عالمؑ!
دریوزہ گرم، رِفت گرم، یا شہِ عالمؑ!
بی ترکشم و بی سپرم، یا شہِ عالمؑ!
ممتاز کر، اے ثانیِ کاریگرِ اول!
مفلس پہ عنایات ہوں، اے دیگرِ اول!

اک عمر سے ہوں قریۂ ظلمات میں محبوس
خادم کو عطا کیجیے الفاظ کے فانوس
اس قصر سے سائل کبھی لوٹا نہیں مایوس
رہ جائے فنِ شعر میں درویش کا ناموس
ادرکنی رسولؐ! پدرِ غیرتِ مریم
اُنظرنا اماماؑ! پسرِ غیرتِ مریم

مولا! مری آواز کے در پَے مرا دشمن
سُر تال سے لا علم ہے، بے لَے مرا دشمن
دارا ہو کہ جمشید جلے، کَے مرا دشمن
معیار تو ہو، ان میں کوئی ہے مرا دشمن؟
باغی ہوں قدامت کا مرا راج نیا ہو
اقلیم نئی، تخت نیا، تاج نیا ہو

ہر لفظ اطاعت میں رہے مثلِ رعیت
ہر آن کنیزوں میں رہیں شوکت و نصرت
ہو اسلحہ خانہ سے مرصع یہ عبارت
ہر سطر صفِ لشکرِ جرار کی صورت
اور سطر کا وہ نون جو نقطہ کے بناں ہو
رہوارِ شہِ عرشؑ کے اک سم کا نشاں ہو

آئینۂ دل شیشہ کروں زنگ اُتاروں
خود بیں نہ رہوں، خلعتِ بد رنگ اُتاروں
اب، جنگ میں الفاظ کے سرہنگ اُتاروں
کاغذ پہ نئے ڈھنگ سے فرہنگ اُتاروں
بن ٹھن کے زبر یائے پہ اس طور کھڑی ہو
گویا کمرِ بط میں سناں آن گڑی ہو

مفلس ہوں، تہی دست ہوں، کچھ بھی تو نہیں پاس
بس ایک اثاثہ ہے مرا، کاسۂ احساس
غم خوار ہیں ایسے میں فقط خامہ و قرطاس
میں بندۂ بے دام ہوں، یا حضرتِ عباسؑ
دربار میں آیا ہوں دلِ سوختہ لے کر
جاؤں تو کہاں جاؤں یہ اندوختہ لے کر

اس خوف سے زخموں پہ لگایا نہیں مرہم
تکتا ہو مبادا کوئی نا محرم و محرم
ہر دردِ معظم پہ مرا غم ہے مقدم
افزائشِ غم ہے پہ نمائش نہیں ماتم
کس رنج بروں از درِ صدمات نہ برخاست
از جوششِ این بحر بخارات نہ برخاست

اب حال بیاں ہوتا ہے کچھ مجلس غم کا
ماتم ہے جگر بندِ شہنشاہِ اُمم کا
مہماں ہے مدینہ میں حسینؑ اب کوئی دم کا
وہ اشک نہیں لعل ہے جو چشم پہ چمکا
مجلس کی ضیا ہے کہ دمکنے لگے فانوس
ہر خیمۂ مژگاں میں چمکنے لگے فانوس

جب رات ڈھلی دور ہوا گھور اندھیرا
مشرق سے نمودار ہوا زرد سویرا
خورشید نے سر کھول کے بالوں کو بکھیرا
اُجڑا تھا محلہ بنی ہاشم کا یہ ڈیرا
غم خانۂ شبیرؑ میں جو رین کٹی تھی
بے کیف کٹی رنج میں، بے چین کٹی تھی

مطلعِ دوم

کیا جانیے کیا دہر پہ اُفتاد پڑی تھی
مخلوق پریشان تھی، مبہوت کھڑی تھی
فرقت کی سناں نافۂ وصلت میں گڑی تھی
خورشیدِ جہاں تاب کے ڈھلنے کی گھڑی تھی
اندوہِ جدائی میں شجر سوکھ رہے تھے
بن بن کے سمندر میں بھنور سوکھ رہے تھے

غوغا تھا، کوئی دیر میں لٹتا ہے مدینہ
آلِ شہِ لولاک سے چھٹتا ہے مدینہ
یہ کس پہ زمیں تنگ ہے! گھٹتا ہے مدینہ
گویا کہ مدینے ہی سے اُٹھتا ہے مدینہ
رخصت سے بری اور خبر کوئی نہیں تھی
محرومِ دُرِ اشک نظر کوئی نہیں تھی

رقصندہ جو طاؤس تھے سَم بھول گئے تھے
آہو جو رمیدہ تھے وہ رم بھول گئے تھے
سب محتسباں کثرت و کم بھول گئے تھے
تحریر کے تیور ہی قلم بھول گئے تھے
منہ موڑ لیا آب سے مٹی کے گھڑوں نے
پل بھر کو زمیں چھوڑ دی پیڑوں کی جڑوں نے

سب شیر کچھاروں سے نکل آئے تھے باہر
سانپ اپنے پٹاروں سے نکل آئے تھے باہر
اژدر تھے کہ غاروں سے نکل آئے تھے باہر
قلزم کہ کناروں سے نکل آئے تھے باہر
چو سمت مراقد سے بشر اُٹھنے لگے تھے
ٹھہرے ہوئے پانی میں بھنور اُٹھنے لگے تھے

پا بوسیِ عابدؑ کے لئے آئی تھی خوشبو
روتے ہوئے کہتی تھی کہ اے مرکزِ ہر سُو!
کچھ فرق نہیں احمد و اکبر میں سرِ مو
گرمی سے تپک جائے گا یہ گوہرِ خوش رُو
وہ لُو ہے کہ شب میں بھی ہمکتی ہے بدن کو
تیغِ تپشِ دشت، دھنکتی ہے بدن کو

سورج کی تمازت سے پگھل جاتا ہے فولاد
صحرائی صدا ہو کے بکھر جاتی ہے فریاد
ہر سمت فقط حبس ہے، عنقا ہے وہاں باد
سو دُکھ ہیں، تکالیف ہیں، ہر گام ہے اُفتاد
صدیوں سے وہ آفت کدہ آباد نہیں ہے
کہتے ہیں کہ وہ جائے بشر زاد نہیں ہے

ہستی کا وہاں نام نہیں ہے کسی پہلو
اس ڈر سے نکلتے نہیں دبکے ہوئے آہو
طرفہ ہے کہیں آتشِ محشر پہ وہاں لو
سہمی ہوئی رہتی ہے اسی خوف سے خوشبو
سربند ہے نافے سے نکلتی ہی نہیں ہے
تحریر لفافے سے نکلتی ہی نہیں ہے

ہر صبح نئی آنچ ہے، ہر شام نیا جبر
مر جائے جو انسان تو ملتی ہی نہیں قبر
بے کار ہے اس دشت میں ایوبؑ نما صبر
اس خشک خرابے پہ برستا ہی نہیں ابر
بوندوں کی جگہ جسم پہ پڑتے ہیں شرارے
جلتے ہوئے خورشید سے جھڑتے ہیں شرارے

رو رو کے برا حال تھا بادِ چمنی کا
بجلی کو فقط ہوش تھا زنجیر زنی کا
اصرار تھا اس بات پہ محتاج و غنی کا
کوفہ میں چلن عام ہے وعدہ شکنی کا
وہ لوگ کسی حال میں ایفا نہ کریں گے
پہلے کی طرح عہد کی پروا نہ کریں گے

وہ اپنے کیے عہد سے پھر جائیں گے فوراً
مجبور نہ ہوں گے پہ بدل جائیں گے قصداً
دُہرائیں گے آبا کی روایات یقیناً
نسلاً ہی جفا جُو ہیں، ستم کیش ہیں اصلاً
اس واسطے درخواست ہے رُک جائیے آقا!
ان پردہ نشینوں پہ ترس کھائیے آقا!

ہر دم ہے وہاں تارِ تنفس کا تعطل
ہر آن وہاں پر ہے مصائب میں تسلسل
اُس دشت میں جینے کا حوالہ نہیں بالکل
نے نکہت و ریحان ہیں، نے شبنم و سنبل
مرضی نہیں اپنی کہ حرم جائیں وہاں پر
مولا! جو اجازت ہو تو ہم جائیں وہاں پر

روتے میں لپٹ جاتی تھیں زینب سے خواتیں
چلاتے تھے اکبر کے گلے لگ کے مساکیں
"کیا آنکھوں سے چھپ جائیگی تصویرِ شہِ دیں؟"
شہ کرتے تھے لوگوں کو مگر صبر کی تلقیں
اصغرؑ کی طرف دیکھ کے رو دیتے تھے کم سِن
سر پیٹتے تھے قاسمؑ و عباسؑ کے ہم سِن

زنجیرِ جدائی میں گرفتار ہیں صغریٰؑ
کچھ روز ہوئے صاحبِ آزار ہیں صغریٰؑ
حضرت نے کہا ہم ترے غم خوار ہیں صغریٰؑ
مجبور ہیں، معذور ہیں، لاچار ہیں صغریٰؑ
اس راہ میں آرام نہیں، سکھ نہیں بی بی
کیا تیرے بچھڑنے کا ہمیں دکھ نہیں بی بی؟

اپنی تو یہ مرضی ہے تجھے ساتھ میں لے جائیں
ممکن ہے کہ ہم لوٹ کے پھر آئیں، نہیں آئیں
جو دل کے پھپھولے ہیں تمھیں کیسے وہ دکھلائیں!
صحرا میں بھلا کیسے تری موت کا غم کھائیں
وہ کون سا لمحہ تھا کہ روئے نہیں صغریٰؑ!
واللہ! کہ ہم رات کو سوئے نہیں صغریٰؑ!

لازم ہے کہ ہو جائے ادا فرضِ امامت
اس دورِ ہزیمت سے نکل آئے یہ اُمت
پھر پھیلے یہاں روشنیِ عہدِ رسالت
لے جائیں تجھے ساتھ پہ ایسی نہیں حالت
پُر خار ہے رہ، صاف علاقہ بھی نہیں ہے
پھر تجھ کو کئی دن سے افاقہ بھی نہیں ہے

صغریٰؑ نے کہا شاہِ خوش اطوارؑ کے واری
اکبر کے تصدق، رُخِ سرکارؑ کے واری
قربان سکینہ کے، علم دارؑ کے واری
اصغر کے فدا، قاسمِ جرارؑ کے واری
یہ دُرِ نجف دیکھ کے غش آتا ہے باباؑ
اماں کی طرف دیکھ کے غش آتا ہے باباؑ

اُمیدِ سفارش نہیں اب ہم کو کسی سے
اماں سے گلہ ہے نہ شکایت ہے پھپھی سے
ہاں، ہم سے نظر پھیر لی گھر بھر نے ابھی سے
بس، قبر میں اب جائیں گے ثابت قدمی سے
تنہا کو شہِ اِنس نے گھر بار میں چھوڑا
افسوس کہ اس حالتِ بیمار میں چھوڑا

احوالِ دلِ زار بھی کس ڈھب سے کہوں میں
عابدؑ سے کہوں یا شہِ یثربؐ سے کہوں میں
اماں سے کروں بات کہ زینبؑ سے کہوں میں
فریاد بصحرا ہے بھلے سب سے کہوں میں
عباسؑ بھی، قاسمؑ بھی طرفدار نہیں ہیں
اصغرؑ سے گلہ کیا ہے کہ مختار نہیں ہیں

اے کُل کے مددگار! مجھے جلد اُٹھا لے
اے مالک و مختار! مجھے جلد اُٹھا لے
لٹنے کو ہے گھر بار، مجھے جلد اُٹھا لے
بڑھنے لگا آزار مجھے جلد اُٹھا لے
دل میرا بہ آتش ہے مری عین در آتش
میں شوقِ مسافت میں ہوں نعلین درآتش

بیمار کی حالت پہ ہوئے گریہ کناں سب
فرمایا شہِ عرش نے خواہر سے کہ زینبؑ
بیٹی کو شفا دے گا خداوندِ مسبب
بہتر ہے یہ آزار سہیں، کوچ کریں اب
ورنہ غمِ فرقت میں گذر جائے گی صغریٰؑ
یوں گھلنے، پگھلنے میں تو مر جائے گی صغریٰؑ

یہ کہہ کے مخاطب ہوئے صغریٰؑ سے، مری جان!
مظلوم پدر تیری دل آزاری پہ قربان
اس راہ میں آزار کے بڑھنے کا ہے سامان
لے جائے گا آ کر تمھیں، اکبرؑ کا ہے پیمان
بہتر ہے کوئی روز مدینہ رہو بی بی!
اس حال میں مت رنجِ مسافت سہو بی بی!

بیٹی! ترے بابا کا سفر غم کا سفر ہے
ذوالحجہ کے ہیں کوس، محرم کا سفر ہے
راہی ہے کہیں جان، کہیں دم کا سفر ہے
وہ دھوپ ہے گویا کہ چم و خم کا سفر ہے
بابا نے تجھے شوق سے کھویا نہیں بیٹی!
ہستی کی وہ حالت ہے کہ گویا نہیں، بیٹی!

اک ساعتِ محشر تھی کلس کانپ رہا تھا
ماندہ تھا بہت اسپِ زماں ہانپ رہا تھا
خورشید ندامت سے بدن ڈھانپ رہا تھا
جبریلؑ کھڑا نیتِ حق بھانپ رہا تھا
ویران تھا صحرا کی طرح گویا مدینہ
نکلا تھا محمدؐ کی انگوٹھی سے نگینہ

یوں ابنِ علیؑ شہر سے گھر چھوڑ کے نکلے
جیسے کسی سیپی کو گہر چھوڑ کے نکلے
واپس نہ پلٹنے کی خبر چھوڑ کے نکلے
ہر شخص کو بادیدۂ تر چھوڑ کے نکلے
سب لوگ غمِ ہجر میں سر نوچ رہے تھے
مرغانِ چمن رنج میں پر نوچ رہے تھے

دَم سادھ کے خوشبوئے سمن ساتھ میں ہو لی
منہ چومتی روتی رہی، اک لفظ نہ بولی
حسرت سے زباں سوسنِ دلگیر نے کھولی
اب کون بھرے گا مرے قاسم کی گھڑولی
اک حشر تھا اُس گھر کا مدینے سے نکلنا
کہتے ہیں اِسے روح کا سینے سے نکلنا

مطلعِ سوم

جب رَن کو چلے حضرتِ عباسؑ علمدار
سَر رکھ دیا شبیرؑ کے قدموں میں بس اک بار
شہؑ نے کہا کیوں بر میں لیے آتے ہو تلوار
بس تم کو اجازت نہیں، کیوں کرتے ہو اصرار!
زینب کے وفادار، ولی ابنِ ولی ہو
اب تم ہی تو بازوے حسینؑ ابنِ علیؑ ہو

مشکیزہ سکینہ کا لیے جاتے ہو بھائیؑ!
کیوں ہم سے جدا ہوتے ہو، تڑپاتے ہو بھائیؑ!
قدموں سے اُٹھو، کیا ہمیں بتلاتے ہو بھائیؑ!
ہر بار تم اِس حال میں کیوں آتے ہو بھائیؑ؟
اب کون سہارا ہے حسینؑ ابنِ علیؑ کا
تم ہی تو ہو اک آسرا نورانِ جلی کا

سَر پاؤں پہ تھا، غیظ میں تھراتے تھے عباسؑ
خاموشی سے بس بوسے لیے جاتے تھے عباسؑ
کیا عجز کا آئینہ نظر آتے تھے عباسؑ
کچھ بولتے تھے اور نہ بتلاتے تھے عباسؑ
مقسوم یہ تھا اِذن ملے رن کو سدھاروں
جس اور میں ساتھی گئے اُس بن کو سدھاروں

شبیرؑ نے عباسؑ کو سینے سے لگایا
خود آپ نے خوں رویا اور اُن کو بھی رُلایا
بوسے دیے اُن کو بھی، عَلَم کو بھی اُٹھایا
فرماتے تھے اے ربِ جہاں، میرے خدایا
یہ اُٹھے تو پھر خیمۂ احساس اُٹھے گا
مجھ سے نہ کبھی لاشۂ عباسؑ اُٹھے گا

عباسؑ نے لب کھولے اجازت کو کئی بار
بولے کہ امامِ دوسرا، مالک و مختار
شرمندہ ہے پانی کے لئے عبدِ گنہ گار
اے صاحبِ ایمان و زماں اِذن بس اک بار
نادم ہوں سکینہؑ سے رضا دیجیے مولاؑ
بے مشک جو آؤں تو سزا دیجیے مولاؑ

بس مَشک لیے جاتا ہوں معصوموں کی خاطر
پھر خدمتِ عالی کے لیے ہوتا ہوں حاضر
بچوں کا بلکنا تو ہے حضرتؑ پہ بھی ظاہر
ہاں اِذن کی خاطر نہیں آؤں گا کبھی پھر
مشکیزہ بھرے آتا ہوں آقا کوئی دم میں
بے تاب ہوں قطرہ بھی نہیں اہل حرم میں

شبیرؑ نے فرمایا کہ جاتے ہو وغا کو
خود مٹنے کو جاتے ہو، نبھاتے ہو وفا کو
مشکیزے کا ہے عذر، بلاتے ہو قضا کو
تم خیر، ہمیں سونپ کے جاتے ہو خدا کو
یوں جاں پہ کوئی کھیل نہیں سکتا ہے بھائی!
شبیرؑ یہ دُکھ جھیل نہیں سکتا ہے بھائی!

جاؤ کہ ہمیں بھی ہے کوئی دیر میں آنا
اِس دشت میں ناناؐ کا بھی ہے قول نبھانا
قربان گیا، خیمۂ زینبؑ میں نہ جانا
اِس بار مری سمت سکینہ کو نہ لانا
اللہ کی مرضی ہے، کہاں ہم پہ ہے عباسؑ
زینبؑ پہ جو گزرے گی عیاں ہم پہ ہے عباسؑ

سُنتے ہی یہ سب شاد ہُوا ثانیِ کرّار
سجدے میں کئی بار گرا شہؑ کا علمدار
دل خُون ہُوا، درد سے اُٹھے شہِ ابرار
دیکھا کہ اُدھر حضرتِ عباسؑ ہیں تیار
یکبار کنوتی کو بدلنے لگا شبدیز
منہ پائے شہِ دیںؑ پہ ملنے لگا شبدیز

آقاؑ کی رضا پا کے فرس پر چڑھے عباسؑ
شمشیر و عَلَم ہاتھوں میں تھے، مَشک بھی تھی پاس
جولاں ہُوا رہوار تو مقتل میں تھا الماس
لڑتے ہوئے پہنچے وہ جونہی علقمہ کے پاس
اک بار جو تلوار چلی پھر گئے غازی
فوجوں کے تلاطم میں کہیں گھر گئے غازی

اک ہاتھ میں تھی مَشک تو اک ہاتھ میں شمشیر
پامال ہوئی رَن میں یداللہ کی تصویر
ہاتھوں میں سنانیں لیے آتے تھے گرہ گیر
اک سمت میں نیزے لگے، اک سمت لگے تیر
پابندی بھی تھی، زخموں سے بھی چور تھے عباسؑ
لڑتے تھے پہ دریا سے ابھی دور تھے عباسؑ

غیظ آیا تو فوجوں کو کیا آن میں پامال
دکھلا دیا میداں میں یداللہؑ کا اقبال
ابتر تھیں صفیں، قلبِ عدو کا تھا بُرا حال
عباسؑ تھا آخر، اسداللہؑ کا تھا لال
بجلی جو گری، ابر سی چھٹنے لگیں فوجیں
سَر گر گئے میدان میں ہٹنے لگیں فوجیں

بس ڈال دیا پانی میں اُس شیر نے رہوار
پھر مَشک بھری اور پلٹنے لگے یکبار
بولا یہ بنِ سعد کہ اے غازیِ دیں دار!
یہ مَشک یہیں رکھ دو، اٹھانا نہیں زنہار
ہوتے ہو یونہی ذبح، ڈرو قہر سے عباسؑ
پانی کی اجازت نہیں اِس نہر سے عباسؑ

غازی نے کہا مَشک سے پیوستہ ہے یہ جان
بھر لانا اِسے تھا یہی شبیرؑ کا فرمان
یہ مشک و عَلَم ہی تو ہے غاصب مری پہچان
مت بھول کہ خط آئے تھے، ہم آئے تھے مہمان
ہٹ جاؤ اگر چاہتے ہو خیر سروں کی
ورنہ میں سزا جانتا ہوں کم نظروں کی

یہ کہہ کے جو عباسؑ نے شمشیر چلائی
غاصب کی صفوں بیچ قیامت نظر آئی
پہچان نہیں سکتا تھا پھر بھائی کو بھائی
چلّاتے تھے ہاتھوں سے گئی اپنے لڑائی
جیسے بھی ہو اس قابلِ صد رشک کو مارو
تلوار اِسے، تیر بھری مَشک کو مارو

لو تیر فگن جمع ہوئے چاروں طرف سے
ملعون تھے، شاکی تھے بن شاہِ نجف سے
محروم کیے دیتے تھے غازی کو شرف سے
مشکیزہ پھٹا جاتا تھا تیروں کے ہدف سے
تلوار پڑی دوش پہ اور کٹ گیا بازو
سب جسم سلامت تھا مگر گھٹ گیا بازو

مشکیزہ تھا سینے پہ مگر دست بہ شمشیر
لڑنے لگا اک ہاتھ سے وہ مایۂ شبیر
دانتوں میں تھا اب تسمۂ مشکیزہ دل گیر
ہونٹوں پہ تھا عباسؑ کے بس نعرہ تکبیر
کہتے تھے سکینہؑ کو اگر مشک پہنچ جائے
پھر چاہے جہاں سلسلۂ اشک پہنچ جائے

جس ہاتھ میں تلوار تھی اُس پر بھی ہُوا وار
ناگاہ گرا خاک پہ وہ دست طرح دار
ریتی پہ تڑپتا تھا وہ ہاتھ اور وہ تلوار
دانتوں میں تھا مشکیزہ کہ پھر ہو گئی یلغار
کچھ تیر پڑے مشک پہ اور بہہ گیا پانی
صد حیف سکینہؑ سے پرے رہ گیا پانی

سَر گُرز سے غربال ہُوا گِر گئے عباسؑ
خیموں کی طرف دیکھ کے کہتے تھے بصد یاس
افسوس بجھا پایا سکینہؑ نہ تری پیاس
مرنے کا نہیں، پانی کا ہے حسرت و احساس
اک بار حقِ حرفِ تلافی مجھے دے دو
شبیرؑ کے صدقے میں معافی مجھے دے دو

آواز جو عباسؑ کی گونجی سرِ میدان
مقتل کی طرف دوڑ پڑے شاہ بہ حرمان
فرماتے تھے لو، ہو گیا اکبرؑ مرا نقصان
بھولوں گا نہ مر کر بھی میں عباسؑ کا احسان
کچھ مجھ کو نظر آتا نہیں آؤ نہ بیٹا
ٹوٹی ہے کمر لاش پہ لے جاؤ نہ بیٹا

جب لاشۂ عباسؑ پہ پہنچے شہِ دلگیر
دیکھا کہ سرِ خاک تڑپتا ہے وہ نخچیر
سر گود میں رکھتے ہوئے فرماتے تھے شبیرؑ
اے بھائی! ہمیں چھوڑ گئے دست بہ تقدیر
ایسے تو کوئی چھوڑ کے جاتا نہیں عباسؑ
کچھ بولو، ہمیں کچھ نظر آتا نہیں عباسؑ

غازی نے نگہ بھر کے رُخِ شاہ کو دیکھا
پھر آہ بھری اور کہا اے مرے آقا
پانی کے نہ لانے کا گنہ گار ہے بندہ
اے وائے کہ پیاسی ہے سرِ خیمہ سکینہؑ
حضرتؑ جو معافی کا کہیں میری طرف سے
شرمندہ ہے عباس بہت شاہِ نجف سے

شبیرؑ نے فرمایا یہ کیا کہتے ہو بھائی!
ایذا ہے بہت نزع کا دکھ سہتے ہو بھائی!
کس درد کے کہسار تلے ڈھتے ہو بھائی!
جاتے ہوئے بتلاؤ کہاں رہتے ہو بھائی!
تنہا تو ہمیں چھوڑ کے مت جاؤ برادر
باہم چلے جاتے ہیں چلو آؤ برادر

عباسؑ نے بوسہ لیا پائے شہِ دیںؑ کا
پھر باب کھلا دیکھا جونہی خلدِ بریں کا
دم نکلا پھر اُس عارضی دنیا کے مکیں کا
تھا شور کہ سردار اُٹھا اہلِ یقیں کا
اکبرؑ کی طرف دیکھ کے یہ کہہ گئے شبیرؑ
عباسؑ سفر کر گئے، لو رہ گئے شبیرؑ

جب مشک و عَلَم لائے شہ دیںؑ سرِ خیمہ
یکبار بلکتی ہوئی پاس آئی سکینہ
بولی کہ کہاں میرے چچا جان ہیں بابا!
کیوں مَشک و عَلَم آپ لیے آئے ہیں تنہا!
کیا دائمی دُنیا کو سفر کر گئے عمّو
سر گود میں تھا آپ کی، کیا مر گئے عمّو؟

اکبرؑ بھی نہیں بولتے، کیا ہو گیا بابا!
ہے ہے وہ علمدار کہاں کھو گیا بابا!
مدّت سے تھا جاگا ہُوا، کیا سو گیا بابا!
بازوئے شہِ دین کدھر کو گیا بابا!
بتلائیے، ورنہ ابھی جاتی ہے سکینہ
خیموں میں چچا جان کو لاتی ہے سکینہ

ہر ایک کی لاش آئی ہے آئے نہیں عمّو
خود مَشک و علَم خیموں میں لائے نہیں عمّو
صحرا میں بہت دھوپ ہے، سائے نہیں عمّو
کیوں جلتی ہوں جب دہر میں ہائے نہیں عمّو
بتلائیں، نہیں جاں سے گزرتی ہے سکینہ
عمّو کے بنا دشت میں مرتی ہے سکینہ

حضرت نے کہا لاش بھی غازیؑ نے نہیں دی
لانے کی اجازت ہی نمازی نے نہیں دی
یہ مَشک بھی اُس شیرِ حجازی نے نہیں دی
مہلت ہی اُسے آئنہ سازی نے نہیں دی
سو لاشۂ عباسؑ نہیں لائے ہیں بیٹی
یہ مَشک و عَلَم بھی تو ہمیں لائے ہیں بیٹی

یکبار سرِ دشت جُدا ہو گیا بازو
اکبرؑ بھی ہیں تیار سو اب خالی ہے پہلو
ہجرِ غمِ عباسؑ میں تھمتے نہیں آنسو
نرغے میں شغالوں کے ہوں میں صورتِ آہو
اللہ کی مرضی میں بھلا کس کی چلی ہے
اب دشت ہے اور لاشِ حسینؑ ابنِ علیؑ ہے

بس ختم کر اب مرثیۂ حضرتِ عباسؑ
خالق سے دعا مانگ کہ اے مالکِ احساس!
بندے کو عطا کر دے دُر و گوہر و الماس
تا آپ گواہی کو اُٹھیں خامہ و قرطاس
یہ بندہ گدائے شہِ لولاکؐ ہے واللہ
منبر ہے کہ ہم پایۂ افلاک ہے واللہ

طبعِ چراغ ساز، شفق رو ہے اِن دنوں

(شہادت شہزادہ علی اصغرؑ و شہادت امام حسینؑ)

ساقی ارباب ذوق
0305 6406067
PDF Book Company

مت پوچھیے یہ ہم سے کہ کیوں روتے ہیں
سجادؑ غمِ شاہؑ میں خوب روتے ہیں
آدابِ عزا ہم کو بتائے گا کون
ہم لوگ سکھاتے ہیں کہ یوں روتے ہیں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

طبعِ چراغ ساز، شفق رَو ہے اِن دنوں
ماہِ وِلائے فکر میں کیا لَو ہے ان دنوں
مضمون ایک نکتے میں سَو سَو ہے ان دنوں
مولاؑ کی مہر، مَہ بھی مہِ نَو ہے ان دنوں
سلماںؓ کے اِشتیاق سے قنبر کے حِلم تک
لفظوں کا قافلہ ہے رواں بابِ علمؓ تک

یا رب! متاعِ باغِ سخن گُل بہ گُل رہے
درویش پر عنایتِ ختم الرسلؐ رہے
نکتہ بہ نکتہ سِرِّ بیاں سب پہ کُھل رہے
ہر سطر پر نوازشِ مولائے کُلؑ رہے
اعجاز مانند ہو، وہ ہنر ہو عطا مجھے
رضواں بتائیں شاعرِ آلِ عبا مجھے

مدحت ہے ایک بحرِ عمیق اے شہِ شہاںؑ!
بندہ الست سے ہے غریق، اے شہِ شہاںؑ!
اے سَم زدہ حسنؑ کے رفیق، اے شہِ شہاںؑ!
اے خواجۂ انیس و خلیق، اے شہِ شہاںؑ!
ہو اِذن تو یہ بحر ہے کیا، اَوج موج کیا
تنہا سہی فقیر مگر اصلِ فوج کیا

مولاؑ! جہاں ہوں دعملِ و وائل بھی تنگ دست
واں دسترس دکھائے مرا دستِ حق پرست
شبّیرؑ کے قدومِ مبارک میں ہو نشت
خود کو عناں گسستہ کہے انوریِ مست
تیغِ قلم کو جنگ کا میداں ہو ایک ہاتھ
جامِ ولائے بوذر و سلماں ہو ایک ہاتھ

لازم ہے پہلے ذکرِ حسینانِ کائنات
جن کے لئے وجود میں آئے ہیں معجزات
جن کے طفیل موت پہ حاوی ہوئی حیات
سایہ کناں ہے جن پہ رسولِؐ زمن کی ذات
پہلے جو بنتے دیکھتے تھے عالمین کو
مدّت سے انتظار تھا جن کا زمین کو

شعبان ہے ظہورِ حسینانِ کعبتین
شعبان مومنین کی لَو، سب کا نورِ عین
شعبان ہی میں آتی ہے وہ چندرماں کی رَین
جس میں زمیں پہ آئے جگر گوشہ حسینؑ
ہم بار بار کہتے ہیں "یا قائم! العجل"
بس ورد کرتے رہتے ہیں "یا قائم! العجل"

شعبان تو مہینہ ہی ختم الرسلؐ کا ہے
شعبان تو خزینہ ہی مولائے کُلؑ کا ہے
شعبان، فاطمہؑ کی دعا، دَورِ گُل کا ہے
شعبان ہی میں نکتہ سخیِ سبُلؑ کا ہے
انوارِ کربلا کا ظہور اِس میں ہو گیا
قائمؑ کے دَم سے نور ہی نور اِس میں ہو گیا

شعبان تیرے جوف میں اُترا زمن کا چاند
پہلا اور آخری ہے یہ دُوجے حسنؑ کا چاند
گویا جسے غروب نہیں اس چلن کا چاند
نُورِ مہِ جمالِ خدا، پنجتن کا چاند
واللہ کیا جلال ہے ، کیا اِس کی جوت ہے
ظلمت بھلے کہیں بھی چھُپے موت ، موت ہے

شعبان بُولہب کے کلیجے میں تیر ہے
ابتر کو یہ مہینہ جہنّم نظیر ہے
کوثر کی اِس میں باس، مہینوں کا پیر ہے
شعبان ہی تو تہنیتِ شاہِ شہیر ہے
جس میں حسنؑ کو بھائی ملا دِن اِسی میں ہے
زینبؑ کی آرزو متمکّن اِسی میں ہے

اُتریں اِسی گھرانے میں خود بھی وہ باشرف
جن کی ثنا ہے اِنس و ملائک میں ہر طرف
وہ جن کے دُکھ میں اشک فشاں ہیں دُرِ نجف
دو بھائی ہیں امام پہ تابع ہیں جوں خلف
خُطبے ہیں اُن کے جیسے کہ تلمیح پڑھتے ہیں
عباسؑ اُن کے نام کی تسبیح پڑھتے ہیں

کھاتے ہیں رشک حضرتِ یوسفؑ بھی اِس جگہ
جُود و سخا یہیں ہے، تلطّف بھی اِس جگہ
شادی بھی ہے یہیں پہ، تاسّف بھی اِس جگہ
جائز نہیں ہے کوئی تکلّف بھی اِس جگہ
پھر بھی درود پڑھنا اصولِ اصول ہے
اور کیوں نہ ہو متاعِ علی و رسول ہے

قائمؑ اِسی میں اُترے تھے نرجس کی گود میں
سَرِ عسکریِ بے کس و مُفلس کی گود میں
کیا نُور جلوہ گر ہُوا خُوش حِس کی گود میں
ماں کے سوا وہ جاتے بھلا کس کی گود میں
غَیبت صغیر ہو کہ کبیر اِس میں شک نہیں
ہاں، خوانِ مصطفیٰؐ و علیؑ بے نمک نہیں

یہ رات جس سے مانگتے ہیں دِن بھی روشنی
سورج کو مات کرتی ہے اس شب کی چاندنی
یہ رات سیدہؑ کی کنیزی میں ہے غنی
گیارہ کا نُور ایک ہُوا اور یہ بنی
پڑھ لو اگر غلامِ علیؑ و رسولؐ ہو
اعمال کے بغیر بھلا کیا قبول ہو

لفظوں کی روشنی مہ و خُور سے لیے ہوئے
حاضر ہوں بارگاہ میں ڈر سے لیے ہوئے
مولاؑ! یہ چند بَین ہیں، سُر سے لیے ہوئے
کچھ بند، جھولیوں میں ہیں پُرسے لئے ہوئے
ای آسمان مآب! خدا را قبول کن
این نذرِ حرف و صوتِ جدا را قبول کن

مقصودِ قبلتینؑ ہے اور یہ فقیر ہے
زھراؑ کا نُورِ عینؑ ہے اور یہ فقیر ہے
بے احتساب دَین ہے اور یہ فقیر ہے
لطفِ درِ حسینؑ ہے اور یہ فقیر ہے
یہ ہے کرم حسین علیہ السّلام کا
اک آن میں بڑھا دیا رتبہ غلام کا

میں کون اور مدحتِ شاہِ شہاںؑ کہاں
تاب و توانِ سیرتِ معجز بیاں کہاں
قطرہ کہاں، وہ سلسلۂ بے کراں کہاں
موجِ وِلا فقیر کو لائی کہاں کہاں
روشن بنامِ صاحبِ نہج البلاغہؑ ہوں
آخر غلامِ صاحبِ نہج البلاغہؑ ہوں

لفظوں میں اس کلام کی تاثیر ہے تو ہوں
تابندہ روشنائیِ تحریر ہے، تو ہوں
اک خواب اور خواب کی تعبیر ہے تو ہوں
فیضِ قدومِ حضرتِ شبّیرؑ ہے تو ہوں
یہ سب صلہ بفیضِ وِلائے حسینؑ ہے
خود کچھ نہیں کہا، یہ عطائے حسینؑ ہے

کفشی رہے امیر و کبیر اِس مقام پر
کیا کیا غنی ہوئے ہیں فقیر اِس مقام پر
فائز رہے ہیں حضرتِ میر اِس مقام پر
پڑھتے رہے انیس و دبیر اِس مقام پر
تم آئے تو وہ بزم خیالوں میں بس گئی
بجھتے ہوئے چراغ کی لَو کچھ اُکس گئی

کس کی زبان مدحِ شہِ کربلاؑ کرے
درویش ہیچ مایہ و بے پیچ کیا کرے
ہاں ایک وہ، کہ جس کی مدد خود خدا کرے
نعلینِ مصطفیٰؐ پہ دھرے ہونٹ، وا کرے
ہو اِذن اُس طرف سے تو مشکل کشائی ہے
ورنہ حقیر سارے ہُنر کی کمائی ہے

بے چہرگی کو حُسنِ نمو دے دیا گیا
کم رُو کو ذوقِ آئنہ رُو دے دیا گیا
سیری کا اِذن بر لبِ جُو دے. دیا گیا
ہر تشنۂ سخن کو سبُو دے دیا گیا
پیاسا کوئی رہے تو یہ اُس کا نصیب ہے
بس اک درود ، موجۂ کوثر قریب ہے

یہ سب مٹھاس اکبرِ شیریں سخنؑ کی ہے
خوشبو جو ہے، یہ قاسمِ گُل پیرہنؑ کی ہے
یہ کاٹ بانٹ غازیِ باطل شکنؑ کی ہے
المختصر کہ سب یہ مدد پنجتن کی ہے
روشن کُنی ز نُورِ ازل طبعِ تیرہ را
تابی بدہ کہ ماہ کنم چشمِ خیرہ را

طالب رسولِ پاکؐ سے ہوں ہر مدد کا میں
دریوزہ گر ہوں صرف علیؑ صمد کا میں
جاروب کَش ہوں پاک حسنؑ کی لحد کا میں
پُرسہ امامِ عصرؑ کو دیتا ہوں جَد کا میں
کیجے قبول پرسہ کہ دل کو سکون ہو
سینے سے بار بار ٹپکتا ہے خون ہو

ای فخر آسمان و زمین و زمان ، بیا!
ای تو کہ رشکِ قامتِ سروِ روان، بیا!
جان بستہ ام بہ نام تو از دل بہ جان، بیا!
ای صاحب الزّمانؑ! سوی این جہان بیا!
گوھر ز بحر بردم و در سلک سفتہ ام
من در مطافِ باغ پی تو شگفتہ ام

وصف آپ کے ورائے تعلّی ہیں منتقم!
بے وارثوں کی آپ تسلّی ہیں منتقم!
لاریب، آپ ہی متولّی ہیں منتقم!
وا چشم و دل برائے تجلّی ہیں منتقم!
سیراب کن ز آب وصال این تراب را
ای نورِ عصرؑ! جلوہ بده آفتاب را

آنکھیں ہیں انتظار میں یا صاحب الزّمانؑ!
آئیں اب اِس دیار میں یا صاحب الزّمانؑ!
اب دل نہیں قرار میں یا صاحب الزّمانؑ!
عالم ہے انتشار میں یا صاحب الزّمانؑ!
فتنہ فرو ہو، آئیے، تعجیل کیجیے
مولاؑ! روشِ جہان کی تبدیل کیجیے

مطلعِ دوم

جب دشتِ کربلا میں دہم کی سحر ہوئی
شرقی ورق پہ سطرِ خفی مشتہر ہوئی
شمشیرِ سُرمہ سا سپرِ مہ کے سَر ہوئی
گویا کہ درپیے شہِ جنّ و بشرؑ ہوئی
دیکھا تیمّمِ شہِ والا حجازؑ کو
انصار اُٹھ کھڑے ہوئے فرضِ نماز کو

صیقل کچھ اور ہو گئے آئینہ رو تمام
مٹّی سے تھے اَٹے ہوئے شب رشک مُو تمام
اُن کے طواف میں تھے ادھر مشک و بُو تمام
خم تھے نیاز و عجز میں فرق و گُلو تمام
تسبیح میں پُنے ہوئے دارالسّلام کے
سب تھے ادائے فرض میں پیچھے امامؑ کے

پہنچی اذانِ اکبرِ والاؑ حجاز میں
خط چشم و گوش کا نہ کھنچا امتیاز میں
دید و شنید ایک ہوئے ارتکاز میں
گریاں تھے سب نماز سے پہلے نماز میں
گویا شہِ شہاںؑ رہے شاہوں کے سامنے
تصویرِ مصطفیؐ تھی نگاہوں کے سامنے

آگے امامؑ ، پیچھے گہر ہائے صف بہ صف
پہلی قطار میں تھے عزیزانِ با شرف
اُن کے عقب نشستہ تھے انصار سر بکف
کعبہ کے مہر ، ماہِ مدینہ ، دُرِ نجف
ضرغامہ و حبیب و زہیر ابنِ قین تھے
سارے فدائے پائے شہِ مشرقینؑ تھے

محوِ صلات، محو خشوع و خضوع میں
اک مقتدیٰ صنوبرِ والاؑ شروع میں
صف دار سرو بعد میں، باہم رکوع میں
یکساں قیام و سجدہ، غروب و طلوع میں
زاری میں سَر اُٹھا کے دوبارہ جھکاتے تھے
دو رکعتوں میں رحل صفت بیٹھ جاتے تھے

سجّادۂ ورق پہ رہی چشمِ ممتحن
لڑکا کوئی، جوان کوئی اور کوئی مسن
سبزہ کسی کے خفتہ تھا، کوئی صغیر سِن
سرسبز تھے کہ تھے نگراں شاہؑ انس و جنّ
تیغِ قلم سے لکھ گئے سب اپنے بخت کو
خوں دے کے سُرخرو ہوئے دیں کے درخت کو

پڑھتے تھے متّقی جو تحیات میں درود
وردِ زباں رہتا تھا دِن رات میں درود
ہر قول میں سلامتی، ہر بات میں درود
آیات میں اساس تھی، آیات میں درود
جانیں ہوں اُن چُنے ہوئے اشخاص پر نثار
کوثر پہ جان دیتے تھے، اخلاص پر نثار

تکبیر اُن کا آئنہ، توحید میں پلے
تفسیر اُن کے قلب تھے، تمجید میں پلے
تکفیر اُن سے دُور تھی، تائید میں پلے
تشہیر اُن کو منع تھی، تحدید میں پلے
تلوار اُن پہ موم رکوع و سجود میں
تیر اُن کے تن پہ پھول قیام و قعود میں

ناگاہ چند تیر مصلّوں پہ آ گرے
جانا نمازیوں نے کہ اب اُن کے دِن پھرے
پوری نماز ادا کی، نمازی تھے وہ نرے
گھیروں کو توڑ توڑ کے خود آخرش گھرے
کیا جنگ جُو لڑے کہ اماں دے کے چل دیے
پائے شہِ حجازؑ میں جاں دے کے چل دیے

سب رہروانِ خلد ہوئے اقربا، رفیق
مشفق، مطیع، معرکہ فرما مگر خلیق
ٹکڑے ہوئے جدال میں نیلم، گہر، عقیق
خوش پوش، خوش کلام، خوش اقبال، خوش طریق
عابس، ھلال، جون، حبیب اب وہاں نہ تھے
حُرّ و زھیر اور شبیب اب وہاں نہ تھے

کچھ قبل تک دفاع کو سب آس پاس تھے
روشن تھا دِل کہ گوہر و الماس پاس تھے
عونؑ و محمدؑ ایک طرف، پاس پاس تھے
قاسمؑ بہم تھے، اکبرؑ و عباسؑ پاس تھے
بکھری ہوئی تھی دشت میں اب سِلک شاہ کی
ملعون لُوٹ لے گئے گُل مِلک شاہ کی

اصغرؑ تڑپ رہے تھے اُدھر خیمہ گاہ میں
نوخیز گُل بکس گیا پانی کی چاہ میں
قطرہ بہم نہ تھا حرمِ عرش جاہ میں
بے شیر بے امان تھا ماں کی پناہ میں
رونے کو منہ کھُلا تھا پہ آواز ماند تھی
کشتِ رسولؐ خشک تھی، بے آب ناند تھی

جب تشنگی کمال ہوئی شیرخوارؑ کو
شبنم کی یاد آنے لگی گُل عذار کو
سینے لگایا ماں نے دُرِ آبدار کو
تکنے لگا وہ چرخِ تغیّر شعار کو
فاقوں سے شیرِ مادرِ معصوم خشک تھا
کافور دودھ ہو گیا اور آب مُشک تھا

ساقیِ اربابِ ذوق

PDF BOOK COMPANY

مدد، مشاورت، تجاویز اور شکایات :

برقی کتب

Muhammad Husnain Siyalvi
0305-6406067
Sidrah Tahir
0334-0120123
Muhammad Saqib Riyaz
0344-7227224

نہرِ فرات قبضۂ غاصب سرشت میں
بٹتے تھے جام صحبتِ بد عہد و زشت میں
پیاسے گئے عزیز و اقارب بہشت میں
پانی نہیں تھا ساقیِ کوثرؑ کی کشت میں
سیراب فوجِ وحش و چرند و پرند تھی
پانی کی راہ آلِ محمدؐ پہ بند تھی

حدّت سے بھُن گیا تھا کلیجہ، جگر جلا
آنسو بھی تو نہیں تھے کہ تر ہو سکے گلا
بے تاب ہو کے سینۂ مادر سے منہ ملا
اِس درجہ تشنگی تھی کہ بے ہوش ہو چلا
حیلہ نہ سوجھتا تھا کہ ماں بے حواس تھی
صابر تو تھی، پہ رنج میں تصویرِ یاس تھی

بچّے کا حال دیکھ کے بے خود تھی خوش خصال
خیمے کے در پہ آ کے پکاری بصد ملال
بس کوئی دم اخیر ہے میرا یہ نونہال
کس امتحان میں ہے رسولؐ خدا کی آلؑ
جن کے طفیل عرش سے بادل برستے ہیں
وہ آج بوند بوند کی خاطر ترستے ہیں

شہؑ لے کے آئے طفلؑ کو فوجوں کے روبرو
بولے یہ شیر خوارؑ ہے اے فوجِ کینہ خُو
تشنہ ہے تین روز سے یہ دُرِّ خوش گلُو
پیاسا ہے اور سامنے بہتی ہے آب جُو
پانی پہ سب کا حق ہے، وہ اپنا کہ غیر ہو
موقع ہے ایک اور اگر اہلِ خیر ہو

فرزند ہے یہ سبطِ رسالت پناہؐ کا
ہے شیرخوار خانہء شیرِ الہؑ کا
بولو تو کیا قصور ہے اِس بے گناہ کا
پانی ہی کتنا پیتا ہے بچّہ چھ ماہ کا
یوں مائیں شیرخواروں کو پانی پلاتی ہیں
دو انگلیاں بھگو کے دہن میں چواتی ہیں

سر تک اُٹھا کے طفل سے بولے کہ ارجمندؑ
ہاں، استغاثہ از لب تشنہ بکن بلند
تا سُن سکیں الہ و ملک، اِنس و جاں، پرند
راضی رضائے رب پہ ہیں، جو وہ کرے پسند
اپنی زباں سے کہہ کے یہ کام اِختتام کر
پھر ایک بار امامؑ کی حجّت تمام کر

یک بار 'العطش' کی صدا رَن پہ چھا گئی
جو سنگ دِل تھے اُن کے دِلوں کو بہا گئی
ساری زمین کرب و بلا تھرتھرا گئی
کرسی کردگار کے پائے ہلا گئی
سینہ اُبل پڑا سپہِ نابکار کا
تھا نینوا میں معجزہ پروردگار کا

بولا یہ ایک دَم بن کاھل سے ابن سعد
سُن، صاف کر رہا ہوں میں تجھ سے یہ قول و وعد
چلّہ چڑھا کے تیر لگا اِس کو مثل رعد
اے حُرملہ! ظفر ہے تری اِس عمل کے بعد
تُو اِس گھڑی جو درپئے بے شیرؑ ہوئے گا
عہدہ بڑھے گا، صاحبِ جاگیر ہوئے گا

سردار تھا شقی سپہِ ابتذال کا
مضروبِ زر، حریف محمدؐ کی آلؑ کا
پھینکا نجسِ نے تیرِ ستم تین بھال کا
وائے، گلو نشانہ ہوا نیم سال کا
تیرِ سہ شعبہ حلق کے پیچھے نکل گیا
شہ رگ چِھدی، بنا کے دریچے نکل گیا

اللہ، صبر حضرتِ والا وقارؑ کا
پیکاں نکال کر پسرِ نامدارؑ کا
چُلّو میں خون بھر لیا اُس گُل عذارؑ کا
بولے کہ لاکھ شکر ہے پروردگار کا
بندہ خمیدہ سَر ہے جو منشا خدا کا ہے
ناناؐ بتا گئے تھے یہ رستہ ھدیٰ کا ہے

دیکھو تو بندگی شہؑ والا سریر کی
چھوٹی سی قبر آپ نے کھودی صغیرؑ کی
میّت پھر اُس میں آپ اُتاری شہیر کی
اُٹھے تو یہ صدا سُنی بے آب و شیر کی
باباؑ کو بھی بچا نہ سکا کیا خفیف ہوں
طفلی تو نام کو ہے پہ اصلا ضعیف ہوں

معصومؑ کی صدا جو سُنی زار زار روئے
جی کو ذرا قرار نہ تھا، بے قرار روئے
گریہ تھا رشکِ ابر، بہ اشکِ ھزار روئے
منہ بار بار صاف کیا، بار بار روئے
دیکھا جو آسماں کو اِدھر شاہِؑ دہر نے
نوحہ اُدھر بلند کیا نُہ سپہر نے

قبرِ صغیر سنؑ پہ کیے شاہؑ نے جو بَین
لکھوں تو دن کے منہ پہ اُتر آئے صاف رَین
سُنتے تو ہو گے تم بھی صدا ہائے شور و شَین
ہم آپ کی غریبی پہ قربان یا حسینؑ
مرقد پہ منہ رکھے ہوئے جب شاہؑ روتے تھے
ملعون کھکھلاتے تھے اور شاد ہوتے تھے

خیموں میں آئے حضرتِ سلطانؑ بحر و بر
نوحہ کناں تھے اہلِ حرم سب اِدھر اُدھر
ماتم وہ شیر خوار کا، وہ سوختہ جگر
محوِ عزا تھی خلق سما، نوعِ دشت و در
سینہ جو چاک تھا شہِ گردوں اساسؑ کا
ہمشیرؑ سے منگایا تبرّک لباس کا

دیکھا جونہی عمامہ و جامہ رسولؐ کا
دل دکھ سے خون ہو گیا پُورِ بتولؑ کا
بر میں زرہ تھی، بند علیِؑ اصولؑ کا
حمزہ کی ڈھال، دائرہ حسنِ قبول کا
ختم الرّسلؐ کے آتے جو نعلین عین پر
غم کا پہاڑ گر پڑا مولا حسینؑ پر

جب ذُوالفقار آئی شہِ دیںؑ کے سامنے
قبضہ بڑھا حُسینؑ کے ہاتھوں کو تھامنے
بیعت کو اُس کا شوق جو دیکھا امامؑ نے
دستِ عطا بہم کیا گردُوں مقام نے
چھوڑا غلاف، بوسے کو تیغِ دوسر گری
خاکِ قدم پہ منہ مَلا اور پاؤں پر گری

لو، قیدیانِ راہِ مسبّب کو چھوڑ کر
نکلے حرم سے شاہِ زمنؑ سب کو چھوڑ کر
آنکھیں بھر آئیں باقرؑ خُوش لب کو چھوڑ کر
سجّادؑ کو، سکینہؑ کو، زینبؑ کو چھوڑ کر

ہمشیرؑ نے سوار کیا شاہِ دینؑ کو
بوسے دیے رکاب کو ، راکب کو ، زین کو

مطلعِ سوم

چھل بَل میں طَور اَور ہُوا ذوالجناح کا
درپیش راستہ تھا اُسے پھر فلاح کا
سینہ کُھلا تھا، کام نہ تھا اِنشراح کا
محتاج تک نہیں تھا کسی کی صلاح کا
وہ آسماں شناس تھا واقف زمین کا
ایسا ہدیہ تھا ختم المرسلینؐ کا

شفّاف یہ کہ دُور تھے خاشاک و خَس تمام
اُٹھے جو اس کے نعل، ہوئی دسترس تمام
آغاز کا محل تھا کہ گھوڑے تھے بس، تمام
خَر ہو گئے تھے سامنے اس کے فرس تمام
وہ جانتا تھا کون سخی، متّقی ہے کون
کس کس کو شرحِ صدر ہوئی اور شقی ہے کون

میدان میں جلال سے آیا علیؑ کا لالؑ
ختم الرّسلؐ کی آلؑ سے آیا علیؑ کا لالؑ
بچھڑا جو اپنے لالؑ سے آیا علیؑ کا لالؑ
بولی سپہ ”خیال سے، آیا علیؑ کا لالؑ
کیا دُور ہے جو سُرمہ بناتے سپاہ کو
سب مِل کے روک لو شہِ گردُوں پناہؑ کو“

شہؑ نے لگام تھام کے حجّت اخیر کی
نیّت مگر تھی اور سپاہِ شریر کی
بھالا تھا یہ نجس کا، گرہ بے ضمیر کی
لَو تھی یہاں سِناں کی، وہاں تیغ و تیر کی
حلقے کسے ہوئے تھے شہِ مشرقینؑ پر
ہتھیار تول تول کے آئے حسینؑ پر

نکلی غلاف چھوڑ کے تیغِ دودَم اُدھر
اہلِ حَشم کٹے اِدھر، اہلِ درم اُدھر
کیا باڑھ تھی کہ کھیلتی تھی یم بہ یم اُدھر
پانی اِدھر بہم تھا، مہیّا تھا نَم اُدھر
اک گھونٹ جس نے اُس کا بھرا سیر ہو گیا
سب اقربا تھے پاس مگر غیر ہو گیا

وہ جو صفوں کے بیچ تھے، اطراف کٹ گئے
تفریقِ شرق و غرب مٹی، صاف کٹ گئے
اسلاف قطع ہو گئے، اخلاف کٹ گئے
سمتیں تمام ہو گئیں، اکناف کٹ گئے
تھے فوجِ بدخصال کے ٹکڑے اِدھر اُدھر
بھاگے پلید موڑ کے مکھڑے اِدھر اُدھر

تلوار کیا تھی، برق گری تھی ہجوم پر
یکساں تھی اس کی آنچ خصوص و عموم پر
آفت جدا جدا تھی شقی اور شوم پر
یلی تھی نامیانِ رَے و شام و روم پر
کس کی ہے ڈھال، کس کی زرہ، جانتی تھی وہ
کس کس مقام پر ہے گرہ، جانتی تھی وہ

لمسِ رسولِ پاکؐ و غنیؓ اُس کے ساتھ تھا
اصلِ اصولِ بت شکنی اُس کے ساتھ تھا
ردّ و قبولِ حُسن و فنی اُس کے ساتھ تھا
حاصل وصولِ پنجتنی اُس کے ساتھ تھا
بدر و حنین کون، یہ تیور ہی اور تھے
کچھ فردِ جرم چڑھ گئے کچھ زیرِ غور تھے

یزداں مزاج عرش سے اتری ڈھلی ہوئی
دستِ نبیؐ سے زینتِ دستِ علیؑ ہوئی
ایک ایک معرکے میں برابر چلی ہوئی
مولا علیؑ کے ہاتھ کی تھی وہ پلی ہوئی
تھی خانہ زاد ازل سے شہِ مشرقینؑ کی
بچپن سے جانتی تھی طبیعت حسینؑ کی

روحیں روانہ ہوتی تھیں اس کے خیال سے
واقف تھی تیر و تیغ سے، مِغفر سے، ڈھال سے
گِر گِر کے سَر اٹھاتی گروہِ رزال سے
کیا سرخرو پلٹتی تھی ہر ہر جدال سے
آخر کو پاس رکھنا تھا اِک پاک ذات کا
تھا اس کا منہ دھلا ہوا زینبؓ کے ہات کا

چل چل کے بھی وہی تھی، برابر کَسی ہوئی
طوبیٰ کے تھی دوشاخے کے اوپر کَسی ہوئی
پل بھر عدو کے دِل میں تھی، پل بھر کَسی ہوئی
اُتری تھی عرش سے وہ سراسر کَسی ہوئی
کیسے بیان کیجئے اس آن بان کو
یوں ہے کہ اس کے لمس کی حسرت تھی سان کو

چہرے چھپائے پھرتے تھے رُودار و نامدار
کٹ کٹ کے گر رہے تھے نمودار و نامدار
کاوے میں پس گئے تھے غلُودار و نامدار
دستِ حسینؓ تھا ہی وضودار و نامدار
یکساں مکالمہ تھا اسے خاص و عام سے
بیعت تھی وہ حسین علیہ السّلام سے

جن زہریوں کے جی تھے ہرے، یاد تھے اُسے
بدر و اُحد، فرار پَرے، یاد تھے اُسے
جو دِل تھے انتقام بھرے، یاد تھے اُسے
ایسی دولب تھی سب شَجرے یاد تھے اُسے
اُتری لہو میں تیغ و سپر کاٹتی ہوئی
ایک ایک پر اٹھی تھی وہ لب چاٹتی ہوئی

عالی مقام، عرش نسب، منصف و خلیق
سبزے پہ تھے فریفتہ مونگے، گہر، عقیق
لب ہائے خندہ در گہے سادہ، گہے عمیق
فرمانروائے حرب، یداللہ کی رفیق
جو منہ کو آئے جنگ میں وہ گوشت پوست تھا
اتنا معاملہ تھا مگر دوست، دوست تھا

پشتوں سے جانتی تھی وہ ہر بدشعار کو
قہر و غضب میں جانے نہ دیتی وقار کو
بے ڈھال روکتی تھی، خطاکار وار کو
رُکتی تو سجدہ کرتی تھی پروردگار کو
وہ دیں شناس اور زمانے سے آشنا
تھی جود و اِتّقا کے گھرانے سے آشنا

کیا کیجیے ثنا کہ وہ اصلاً اصیل تھی
میدان میں قضائے کمین و رذیل تھی
تیغوں میں سربلند تھی ، گردوں مثیل تھی
گویا نبیؐ و آلِ نبی کی وکیل تھی
پرّاں سرورِ قربِ شہِ مشرقین میں
قبضہ تھا محو بوسہِ دستِ حسینؑ میں

کھولے جگر تو آپ سویدا تھی داغ میں
مصروف تھی سیاہ دِلوں کے سراغ میں
ایسے ٹہل رہی تھی وہ زخموں کے باغ میں
شعلہ لپکتا پھرتا ہے جیسے چراغ میں
آہنگی میں بھی وہ مزاجاً شتاب تھی
قامت میں رشکِ سرو تھی ، لَو میں گلاب تھی

تن اُس کا کٹ کے رہ گیا جس پر ذرا تنی
منہ پھیرا جس نے ہو گئی اس کے لئے غنی
سب زخم چاٹتے تھے کہ ہیرے کی تھی کنی
پوشاکِ احمریں میں دل آرا دلہن بنی
سرخی کا پھر بھی روپ میں نام و نشاں نہ تھا
سایہ تھا اور دھوپ میں نام و نشاں نہ تھا

ایسی کشیدہ سَر کہ تنی کی تنی رہی
لے لے کے بھی خراج غنی کی غنی رہی
خور تھا انی پہ اور انی کی انی رہی
دولہا بنے حسینؑ، بنی کی بنی رہی
ایسے ازل کے ساتھ کو تھامے ہوئے چلی
قبضے میں ان کے ہاتھ کو تھامے ہوئے چلی

سرِ شانۂ عریس پہ رکھتی تھی بار بار
سُرخی حیا کی رخ سے ٹپکتی تھی بار بار
بُوئے شہِ زمنؑ سے مہکتی تھی بار بار
لب وا تھے اور پھر بھی جھجکتی تھی بار بار
سرگوشیوں کی تاب نہیں تھی عروس کو
غیظ و غضب سے دیکھ رہی تھی جلوس کو

دو لب دکھائی دیتے تھے گھونگھٹ کی آڑ سے
گُل بیل سر اٹھاتی ہے جیسے دراڑ سے
جوں غنچے جھانکتے ہوئے سوسن کی باڑ سے
بیری نمود کرتی ہے جیسے پہاڑ سے
جڑ کوئی بھی ہو پھولنے پھلنے نہ دیتی تھی
اطراف میں کسی کو نکلنے نہ دیتی تھی

زاغانِ تیرہ بخت کو گویا غلیل تھی
شاخِ گلو تک آئی تو آکاس بیل تھی
کیا اس کی چال ڈھال تھی، کیا ریل پیل تھی
سیلی تھی اَوجِ مَوج پہ، ایسی ڈھکیل تھی
غاصب پٹک رہے تھے سروں کو فرات پر
پانی بہم تھا ناموروں کو فرات پر

مینار تو کھڑا تھا مگر لاٹ اتر گئے
گھوڑوں پہ جو چڑھے تھے وہ قد کاٹھ اتر گئے
میزاں یونہی تُلی رہی اور باٹ اتر گئے
روکے تھے گھاٹ، موت کے سب گھاٹ اتر گئے
چار آئنہ کٹے تھے کہ چار آٹھ ہو گئے
درپے جو تھے خیام کے خود ٹاٹ ہو گئے

یہ شان پرتوے کی، سما و سمک پہ تھا
گویا ابھی زمیں پہ، ابھی نہ فلک پہ تھا
سَو جان سے ہلال نثار اس جھلک پہ تھا
صندل کا شاخچہ بھی فدا اس لچک پہ تھا
وہ تیغ تھی، تبر تھی، چھری تھی، سنان تھی
خم کھا کے استوار ہوئی جوں کمان تھی

مردُم کے عین بیچ بناتی تھی وہ جگہ
پھر کیا بھلا کہیں نظر آتی تھی وہ جگہ
کر کے اشارہ موت بتاتی تھی 'وہ جگہ'
اُس کو فرس، فرس کو دکھاتی تھی وہ جگہ
قبضوں کو کاٹتی رہی سرکار کی طرح
تانے رہی وہ دائرہ پرکار کی طرح

خورشید کی شعاع، سناں پر سوار تھی
خم ہو گئی کماں کہ وہ جاں پر سوار تھی
مقتل کے بیچ پیر و جواں پر سوار تھی
جانے کہاں پیادہ، کہاں پر سوار تھی
سَن سَن کا ساز موت کے آہٹ سمان تھا
دشتِ مصاف آن میں مرگھٹ سمان تھا

قبضے میں پھڑ پھڑا کے ستم کوش اُڑ گئے
کھوجے نشان ایسے کہ روپوش اُڑ گئے
مجنون اہلِ عقل ہوئے، ہوش اُڑ گئے
حجّت جنہیں نہ بھائی تھی وہ گوش اُڑ گئے
کٹ کر سروں سے دُور لویں کانپتی رہیں
آنکھیں نکل گئی تھیں ، بھنویں کانپتی رہیں

قبل از وغا جو رستم و اہلِ تپاک تھے
مٹی میں منہ چھپائے ہوئے اب وہ خاک تھے
لشکر کے سب نشان ہزیمت سے چاک تھے
کاٹی ہوئی سپاہ کے دَل ہولناک تھے
ایسے لپک رہی تھی وہ اپنی ترنگ میں
سب منتہی تمام تھے آغازِ جنگ میں

پہلو بدل بدل کے وہ ایک ایک کو پڑی
کٹ کر وہیں پہ مَر گیا اک ضرب جو پڑی
دو کو چہار، پانچ کو دَس، اک کو دو پڑی
ہاتھ اِس نجس کا قطع ہوا، اُس کی کھوپڑی
دل میں کبوتری سی وہ گٹکی، اتر گئی
چلّہ چڑھا رہا تھا کہ چٹکی اتر گئی

ڈھالوں پہ رات چھا گئی ، سب پھول کٹ گئے
فولاد میں تھے جسم پہ ٹکڑوں میں بٹ گئے
جنگوں کے پیش رَو صفتِ ابر چھٹ گئے
بجلی چمکتے دیکھی تو پانی سے ہٹ گئے
عباسؑ یاد تھے شہِ والا صفاتؑ کو
پیاسے نے آنکھ اُٹھا کے نہ دیکھا فرات کو

اللہ رے سمندِ شہِ دیں کا وہ جمال
رشکِ غزال چشم تھی، فخرِ اسد جلال
گیسوئے حور ماند پڑیں دیکھ کر ایال
کبکِ دری کو بھول گیا وہ چلن، وہ چال
نعلین دیکھ دیکھ کے خورشید ماند تھا
ایک ایک سُم تراش میں پہلی کا چاند تھا

وہ اس کا لال منہ، لبِ معشوق چڑ گئے
غنچے سمٹ سمٹ گئے، ٹہنی سے گر گئے
جن کی حیات بات پہ تھی منحصر، گئے
آئے پیے کلام فصیح اور پھر گئے
اسپانِ بد شعار پہ یوں ہنہناتا تھا
دو پاؤں ان کی آنکھوں تلک لے کے جاتا تھا

سو ڈھب تھے اُسکے جب کہ چلا ایک ڈھب سے وہ
میدان میں الگ نظر آتا تھا سب سے وہ
آنکھیں چڑھائے دیکھتا غیظ و غضب سے وہ
واقف تھا ہر سوار و فرس کے نسب سے وہ
کڑکا وہ رعدِ قہر خدا، سب پہ چھا گیا
یک بارگی وہ راکب و مرکب پہ چھا گیا

تھیں مچھلیاں فرات کی سب محوِ جست و خیز
ہر سو لپک رہی تھی کوئی آتشِ ستیز
وہ اس کی برق خیزی و رفتارِ تند و تیز
نعلین تھے سواروں کے ماتھوں پہ شعلہ ریز
سوقِ قضا میں بھیڑ تھی، وا سب دکانیں تھیں
استادہ دو کنوتیاں، گویا سنانیں تھیں

اک لات، لات کو جو پڑی ہو گیا دو لات
جبڑا پلک جھپکنے سے پہلے لگا کے گھات
دِن تھا یہ لاتیوں کے سروں پر تنی تھی رات
'یاحیؑ' کہہ کے کھول دیا کوچۂ ممات
کہتا تھا کون جنّتی اور دوزخی ہے کون
خدمت گزارِ ہادیِ دین و سخی ہے کون

آنکھوں میں گھومتے ہوئے ڈورے، خدا کی شان
تھے نرگسی، پہ ڈیلے تھے گورے، خدا کی شان
پیاسا تھا اور بھرے تھے کٹورے، خدا کی شان
توسَن تھے اُس کے سامنے کورے، خدا کی شان
دروازۂ حیاتِ شقی بھیڑتا ہُوا
کیا کھیلتا تھا شاہ رگیں چھیڑتا ہُوا

قاطع ہلالِ نعل تھے، پیوند کٹ گئے
کیا بدگہر پدر تھے کہ فرزند کٹ گئے
چند آ گئے سموں کے تلے، چند کٹ گئے
سیلِ چہار موج اٹھی، بند کٹ گئے
لاشیں گریں کہ ساحلِ زخّار اٹ گیا
کیا باڑھ تھی بحیرۂ مُردار اٹ گیا

وہ چند بے نیاز تھا، وہ چند ہوشیار
تابندہ جوڑ بند میں ہر بند ہوشیار
چیتے سا چُست، صورتِ اسفند ہوشیار
غصّے کے باوجود خردمند، ہوشیار
جولاں یہاں وہاں تھا کہ پابندِ صف نہ تھا
باوصفِ غیظ اس کے دہانے میں کف نہ تھا

ہمراہ تھا جو دستِ شہی راہوار کے
تیور جو تیغ کے تھے وہی راہوار کے
سایہ تھا سَر پہ سروِ سہی راہوار کے
تلوار ساتھ ساتھ رہی راہوار کے
جس جس میں تھا بھرا ہوا کینہ، کچل گیا
وہ سَر اڑا گئی تو یہ سینہ کچل گیا

محوِ جدال و جنگ، بیک طَور ساتھ ساتھ
فیصل تھے فیصلے کہ ہوا غَور ساتھ ساتھ
درپیش مرحلوں میں تھے فی الفور ساتھ ساتھ
دونوں تھے خلق و وضع میں اور، اَور ساتھ ساتھ
رُو بَرَ کوئی بھی فاجر و فاسق نہ ہو سکا
ایسا سلوک پھر سے موافق نہ ہو سکا

باہم کیے ہوئے تھے انہیں شہؑ کے ہاتھ دو
کارآزما تھے جنگ میں رہ رہ کے ہاتھ دو
مٹّی ہوئے چہار شقی، سہہ کے ہاتھ دو
ہنستے تھے تیغ و توسن شہؑ کہہ کے ہاتھ دو
ناری سقر کے بیچ تھے، ٹھنڈے، کٹے ہوئے
تھے فوجِ نابکار کے جھنڈے کٹے ہوئے

شمشیر تازہ دَم تھی پہ مجروح تھا فرس
تیر اتنے پڑ گئے تھے کہ مذبوح تھا فرس
ہر عضو شرح شرح تھا، مشروح تھا فرس
پھر بھی نثارِ حضرتِ ممدوح تھا فرس
آقاؑ کے پاؤں نکلے جو اس کی رکاب سے
ریتی پہ گر پڑا وہ فراقی عذاب سے

آنکھیں پھرا پھرا کے یہ کہتا تھا، یا حسینؑ
میں آپ کے بغیر نہ رہتا تھا، یا حسینؑ
وار آپ پر جو آتے تھے سہتا تھا، یا حسینؑ
خوں بہہ گیا، پہ اشک نہ بہتا تھا، یا حسینؑ
مولاؑ! جدائی کرتے ہیں کیوں خانہ زاد سے
کیا کچھ قصور ہو گیا اِس کم سواد سے"؟

شبّیرؑ نے کہا کہ جدائی تری ہے شاق
اے حامیِ حسینؑ، ضروری ہے افتراق
چھلنی ہوں میں، بکار نہیں ساعدین و ساق
خوش ہوں میں تجھ سے ناصرِ دیں دار، الفراق
جا اور جا کے ثانیِ زہراؑ کے پاس بیٹھ
عابدؑ کا حال پوچھ ، سکینہؑ کے پاس بیٹھ

کیا پوچھتے ہو جنگ میں کتنا لڑے حسینؑ!
لاکھوں کے ازدحام سے تنہا لڑے حسینؑ
نامِ یزید مٹ گیا، اتنا لڑے حسینؑ
غربال دِل تھا، اس پہ بھی کیا کیا لڑے حسینؑ
کنزِ مبیں کے گوہر و الماس کی قسم
دی دشمنوں نے اکبرؑ و عباسؑ کی قسم

بس روک دی حسام سُنی جس گھڑی دُہائی
لے کر پسرؑ کا نام سخیؑ نے پچھاڑ کھائی
روتے تھے پھوٹ پھوٹ کے کہہ کہہ کے "ہائے بھائی
سوتے ہو بے حواس، بہت بھا گئی ترائی
شانے کٹے ہوئے ہیں، یہ مشکیزہ چاک ہے
بس کوئی دَم سکینہ کا آویزہ چاک ہے"

آئی صدا کہ معرکہ تسخیر ہو چکا
جو لوح پر ازل سے تھا تحریر، ہو چکا
دِیں پھر درست سمت پہ تعمیر ہو چکا
تم سے کہا گیا تھا جو شبیرؑ، ہو چکا
بس اب نیام کر دو یہیں ذوالفقار کو
سجدہ ہو عالمین کے پروردگار کو

لبیک کہہ کے تیغ کو رکھا غلاف میں
پریوں نے بال کھول دیے دشتِ قاف میں
نیزوں نے پھر سے گھر کیے تن کے شگاف میں
گرداں تھے تیر سبطِؑ نبی کے طواف میں
تیغیں اُپی تھیں اور دلِ مولودِ کعبہ تھا
بعد از علیؑ جو مرکز و مقصودِ کعبہ تھا

سینہ زناں تھے عرشی و گریاں تھے اہلِ خاک
ہر ہر جگہ تھا نوحہ و ماتم کا اشتراک
روح الامینؑ کہتے تھے ڈالے پروں پہ خاک
سبطِ نبیؐ و ابن علیؑ روحنا فداک
حاضر ہیں انبیاءؑ و ملک انتظار کو
ملنے کا اشتیاق ہے پروردگار کو

دیکھا انہیں امامِ حجازیؒ نے ایک بار
صیقل کی خاک آئنہ سازی نے ایک بار
سجدے میں سر جھکا دیا غازیؒ نے ایک بار
ایسے نماز ادا کی نمازی نے ایک بار
کنبہ کٹا کے دینِ محمدؐ بچا لیا
کعبہ سے چل کے نامِ اب و جد بچا لیا

چپکے سے جمع ہو گئے سب دشمنانِ دیں
چلّے کھنچے، تمام کمانیں کڑک اٹھیں
یکبار تیر چل گئے، ہلنے لگی زمیں
تر ہو گئے لہو میں شہنشاہِ مہ جبیںؑ
ناوک شقی کا سیبِ زنخداں پہ آ لگا
ٹھوڑی کو چیرتا ہوا دنداں پہ آ لگا

دو آب دار لعل تھے صحرا کی دھول پر
دو اور پتیاں نہ رہیں ایک پھول پر
پیغمبری تھا وقت نہالِ بتولؑ پر
بالکل یہی سمے تھا اُحد میں رسولؐ پر
وہ تیر کھینچنا تھا کہ خوں دست ہو گئے
چار اور جسمِ پاک میں پیوست ہو گئے

بولا یہ ابنِ سعدِ لعیں فوجِ شام سے
جو جس کا انتقام ہے لے لے امامؑ سے
نفرت مجھے ہے حیدرِ صفدرؑ کے نام سے
رکھتے تھے زیر سب کو حسام و کلام سے
کوئی تو اُن کی دیدہ وری سے پگھل گیا
باقی کو ذوالفقار کا پانی نگل گیا

تنہا ہیں آج لختِ دلِ سیّد البشرؐ
لوگو غضب کے وار کرو اِن کو گھیر کر
کیا دیکھنے لگے ہو، اٹھاؤ بھی اب تبر
خونِ امامؑ سے ہو زمیں نینوا کی تر
زخم اِن کو ہو گا درد محمدؐ کی روح کو
کشتی سمیت قعر میں لے جاؤ نوح کو

یہ بات سن کے آگے بڑھے سارے بد جہات
چاروں طرف سے گھر گئے مظلومِ کائناتؑ
گہ سَر تھا زخم زخم، گہے سینہ، گاہ ہات
رنج و الم سے خُون ہُوا چشمۂ فرات
فطرت نہ تھی، پہ مچھلیاں نم دیدہ ہو گئیں
موجیں تمام ریت میں پوشیدہ ہو گئیں

اُس وقت آسمان پہ کوئی نہ تھا رسول
مقتل کے اُس پاس تھے سب انبیا، رسول
روتے ہوئے حضورؐ سے کہتے تھے 'یا رسولؐ!'
کیا انبیاؑء و اِنس ہیں، کیا اولیا، رسول
کوئی نہیں جہان میں ثانی حسینؑ کا
سب پانیوں پہ چڑھ گیا پانی حسینؑ کا'

رنجِ پسر میں خون ہوئی روحِ بوترابؑ
عمرانؑ بھی تھے سوختہ جاں، جیسے آفتاب
تڑپے ضریحِ پاک میں شبّرؑ فلک جناب
مرقد میں کھائے قلبِ خدیجہؑ نے پیچ و تاب
مٹّی پروں پہ ڈال کے جبریلؑ رو پڑے
مریمؑ کو غش تھا، صاحبِ انجیلؑ رو پڑے

احمدؐ کے نورِ عین کو پانی نہیں ملا
حیدرؓ کے دل کے چین کو پانی نہیں ملا
ہاں، شاہِ مشرقینؑ کو پانی نہیں ملا
پی کر کہو حسینؑ کو پانی نہیں ملا
بھائی نہیں تو کون پلائے حسینؑ کو؟
ریتی سے کون آ کے اٹھائے حسینؑ کو؟

بے کس پہ تیر پھینکتا کوئی کماں کے ساتھ
درپے تھا کوئی تیغ سے، کوئی سِناں کے ساتھ
کوئی حسد نکالتا سنگِ گراں کے ساتھ
یہ بُغضِ لِلّٰہی تھا شہِ اِنس و جاںؑ کے ساتھ
القصہ جس کے ہاتھ میں جو تھا، وہ چل پڑا
کن مشکلوں میں فاطمہ زہراؑ کا دل پڑا

زخموں پہ اور تیر پڑے، اور چھل گئے
غنچے سَروں کو جوڑ کے آپس میں مل گئے
لکھا ہے یک ہزار و نُہ صد پھول کھل گئے
روضے رسولؐ و فاطمہ زہراؑ کے ہل گئے
تڑپیں جنابِ آمنہؑ اپنے مزار میں
خورشید پھر کے رہ گیا کنجِ مدار میں

دیکھو عجیب قہر کا منظر ہے سامنے
خنجر بدست شمرِ ستمگر ہے سامنے
غلطیدہ خوں میں سبطِ پیمبرؐ ہے سامنے
ہے ہے، اُٹھو یہ کون کُھلے سَر ہے سامنے
سجدے سے سَر اُٹھاؤ کہ دیدار دیکھ لے
زینبؑ نگاہ بھر کے پھر اِک بار دیکھ لے

یہ آسماں پہ جاتے ہیں کس طاہرہؑ کے بَین
یہ کون منہ کو ڈھانپ کے کرتا ہے شور و شَین
کس نے کہا، کہاں گئے مقصودِ قبلتینؑ
نوحہ کناں ہے کون کہ ہے ہے، مرے حسینؑ
اے مایۂ محمدؐ و زہراؑ، دلِ اسدؑ
ہے ہے بہم نہیں ہے ترا فرق اور جسد

ہے ہے مرے غریب وفا خو، تجھے سلام
زینبؑ کی آس، اے مرے مہ رُو، تجھے سلام
زہراؑ کے دِل، رسولؐ کے خوشبو، تجھے سلام
بھیّا! ابھی سے دُکھتے ہیں بازو، تجھے سلام
جانے کہاں کہاں پئے اِسلام جاؤں گی
خیمے جلیں گے اور میں سُوئے شام جاؤں گی

بس بس نہ پڑھ مصائبِ مولاؑ فلک مقام
کیا ہے تری زبان و بیاں، کیا ترا کلام
اُن کی عطا نے تجھ کو کیا عرش احتشام
اے شاعرِ شہِ دوسراؐ، فدیہء امامؑ
یہ کم نہیں کہ لے لیا مولاؑ نے چھاؤں میں
تیری جگہ بنائی ہے اکبرؑ کے پاؤں میں

یا رب! متاعِ شعر کو فصلِ جمال دے

(شہادتِ سکینہؑ)

نورانِ خفی اور جلی بولتے ہیں
نیزے پہ ولی ابنِ ولی بولتے ہیں
اللہ رے دربار میں زینبؑ کا خطاب
معلوم یہ ہوتا تھا علیؑ بولتے ہیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یا رب! متاعِ شعر کو فصلِ جمال دے
وہ لَو ہو لفظ لفظ ہنر کو اُجال دے
پروردگار حرف میں تو جان ڈال دے
جو لازوال ہو مجھے ایسا کمال دے
الفاظ میں وہ بابِ معانی کھلا رہے
تا عمر سنگِ چشم کا پانی کھلا رہے

باہم بیاں کروں میں تسلسل سے واقعات
الفاظ پر نہ چھائے کبھی بے بسی کی رات
نکتہ بہ نکتہ کھل رہے معنیٰ کی کائنات
مجھ پر کھلے جہانِ معانی کی واردات
ختم الرسلؑ کے بابِ ہنر تک رسائی دے
وہ حسن ہو بیاں میں کہ معنیٰ دکھائی دے

اپنے سخن کی لَو میں روانی بیان ہو
تیرے حضور سچ کی کہانی بیان ہو
عود آئے تشنگی میں، وہ پانی بیان ہو
اور بات بات اپنی زبانی بیان ہو
صدقے میں اہلِ بیت کے قصہ بیاں کروں
سب واقعات حصہ بہ حصہ بیاں کروں

ایک ایک بات سہل ہو اے خالقِ کریم
مجھ پر کھلیں نکاتِ الف اور لام میم
عقدہ کشائیوں پہ ہوں حیران سب حکیم
امداد کر مری بھی تو اے مالک و علیم!
اے نکتہ دان سوزِ معانی کی بھیک دے
سچائی تک رسائی مجھے ٹھیک ٹھیک دے

چو سمت میرے سارے ہی عشاق جمع ہیں
مرہم کشان و مالک تریاق جمع ہیں
اہلِ عبا و قادرِ آفاق جمع ہیں
رزق آورانِ حلقۂ رزاق جمع ہیں
مشتاق ہیں کہ خامۂ نسبت کو دیکھ لیں
اور میرے سر عمامۂ نسبت کو دیکھ لیں

توفیق دے کہ شامِ غریباں بیاں کروں
الفاظ میں وہ آہیں کراہیں عیاں کروں
اوروں کو بھی رلاؤں، میں خود بھی فغاں کروں
دے وہ زباں کہ سنگ سے چشمہ رواں کروں
لفظوں میں سسکیوں کا اثر بولنے لگے
وہ درد ہو کہ ارض و سما ڈولنے لگے

سینے پہ کوئی بار نہ رہ جائے ، المدد
ہر سمت ہو بلند صدا ہائے المدد
میرے سخن میں آئنہ در آئے، المدد
ہر لفظ اصل بات کو دکھلائے، المدد
ادنٰی غلام ہوں شہِ عالی مقامؑ کا
اقلیمِ فن میں سکہ پڑے میرے نام کا

مولا! مدد کہ سلسلہ سارا عطا کا ہے
واللہ سارا معرکہ صبر و رضا کا ہے
سب مستقیم ہے کہ یہ رستہ ہدیٰ کا ہے
طبعِ سلیم کیا ہے کہ جھونکا صبا کا ہے
مشکل کشائی ہو تو مسافر کو ڈر نہیں
میرا تو ایک در کے سوا کوئی گھر نہیں

ہے طبع اتنی صاف کہ صیقل ہے آئنہ
جو دیکھے مجھ کو کہہ دے کہ بالکل ہے آئنہ
باغِ سخن کے باب میں ہر گل ہے آئنہ
آئینہ میرا لفظ، تخیل ہے آئنہ
دیکھے مرا سخن تو فرزدق بھی داد دے
پروردگار حوصلۂ اجتہاد دے

اپنے سخن کی موج میں بُو، باس میں رہوں
دُرِ نجف میں، گوہر و الماس میں رہوں
پورا یقیں ہے کس لیے وسواس میں رہوں
قرب و جوارِ حضرتِ عباسؑ میں رہوں
یہ اُن کا فیض ہے کہ میں بُنتا ہوں چادریں
میدانِ کارزار سے چُنتا ہوں چادریں

جب جل گئے خیام شہِ دیں پناہ کے
مقتل میں شیر سو گئے شیرِ الہ کے
نوحے اِدھر بلند ہوئے آہ آہ کے
باجے بجے اُدھر عربوں کی سپاہ کے
اتنا سیہ دھواں تھا کہ گھبرائیں بیبیاں
خیموں سے زخم زخم نکل آئیں بیبیاں

بچوں کو جمع کرنے لگیں زینبؑ حزیں
دیکھا کہ اِن میں بالی سکینہؑ کہیں نہیں
آواز دی کہ بنتِ شہِؑ عالمِ یقیں
بولو کدھر ہو نوردہِ چشمِ عالمیں
خیموں کی سمت آؤ کہ بھائی بلاتے ہیں
ملعون اہلِ بیت کو قیدی بناتے ہیں

آئی صدا پھُپھی کو کہ بابا کے پاس ہوں
وہ بولتے نہیں پہ میں صد التماس ہوں
سر تن سے ہے کٹا ہوُا میں بے حواس ہوں
کیا میں بھی طوق و سلسلہ سے اقتباس ہوں!
زنداں سے وحشت آتی ہے ڈرتی ہوں میں پھُپھی
بابا نہیں ہیں ساتھ تو مرتی ہوں میں پھپھی

زینبؑ پکاری آؤ کہ اب ساتھ ساتھ ہیں
ظلم و ستم کے باب میں سب ساتھ ساتھ ہیں
اللہ کرے گا کوئی سبب ساتھ ساتھ ہیں
آؤ کہ سارے تشنہ بلب ساتھ ساتھ ہیں
مرتے ہی شاہ دین کے پانی بھی آ گیا
آؤ کہ رنجِ نقل مکانی بھی آ گیا

آئی سکینہؑ روتی ہوئی جانب خیام
دیکھا کہ پانی پیتے ہیں مدت سے تشنہ کام
بے تاب ہو گئی جونہی آیا بدست جام
یکبار بھاگ اٹھی سُوئے رزم گاہِ شام
ششش ماہے کو پکاری کہ پانی پیو گے بھائی!
اِس تشنگی میں اور کہاں تک جیو گے بھائی!

معصوم خُلد میں تھا بھلا کیسے بولتا
زخمِ گُلو تھا گہرا سو لب کیسے کھولتا
ننھا سا سر تھا نیزے پہ کیا شُکر گھولتا
گاہے انی پہ سیدھا، گہے الٹا ڈولتا
آئی صدائے غیب کہ پانی پیو ابھی
آگے کٹھن ہے شام سو دکھ میں جیو ابھی

زندان میں اکیلے بھلا کیا کرو گی تم
دن رات کتنی بار جیو اور مرو گی تم
شبیرؑ کے بغیر بس آہیں بھرو گی تم
اُس رات کے اندھیرے میں تنہا ڈرو گی تم
اِس انتظار میں ہیں کہ کب تم کو گود لیں
بَن میں تمھارے ساتھ جو ہوں قبر کھود لیں

القصہ اہلِ بیت کو پانی دیا گیا
پھر سب کو حکمِ نقل مکانی دیا گیا
پھر مژدہ ہائے نصرتِ فانی دیا گیا
کوفہ کی سمت رنجِ فغانی دیا گیا
نوحہ کیا اسیروں نے ہر ایک گام پر
کوفی خوشی تھے شادیِ مذہب کے نام پر

ہر موڑ پر تھا حضرتِ زینبؑ کا یہ خطاب
اپنے تئیں یزید ہُوا تو ہے کامیاب
پر اُس پہ جلد آئے گا اللہ کا عذاب
ہم سارے اہلِ بیت ہیں قدرت کا اک نصاب
نامِ حسینؑ مٹتا نہیں تا ابد کبھی
باہم ہوئے نہیں ہیں یہاں نیک و بد کبھی

دیتے ہو تم اذان تو لیتے ہو کس کا نام
ذاتِ نبیؐ سے بڑھ کے کوئی عرش احتشام!
اللہ نے کتاب میں لکھا ہمارا نام
کس واسطے کیا گیا یہ سارا اہتمام
آیے ہمارے واسطے آئے کتاب میں
ہم ہی تو آئے سلسلۂ انتخاب میں

قرآن کو ڈھکوسلا کہتا رہا ہے کون
دُنیا کے اِس فریب میں رہتا رہا ہے کون
دریائے سیم کار میں بہتا رہا ہے کون
دیں کے لیے اذیتیں سہتا رہا ہے کون
سبطِ نبیؐ حسینؓ ہے یا یہ یزید ہے
مشرک ہزار بار نہائے پلید ہے

تھے بیڑیوں میں حضرت سجادِ نامدار
قیدی سب آسمان کو تکتے تھے بار بار
درد و غمِ حسینؑ تھا چہروں سے آشکار
سب اہلِ بیت طوق و سلاسل کا تھے شکار
رسّی بندھی تھی حضرتِ زینب کے ہاتھ میں
بازو پہ نیل اور لہو سب کے ہاتھ میں

ظالم جو پہلوؤں میں چبھاتے تھے بوڑیاں
جب بولتا تھا کوئی دکھاتے تھے بوڑیاں
آہستہ کوئی ہوتا، ہلاتے تھے بوڑیاں
اہلِ حرم کی سمت بڑھاتے تھے بوڑیاں
کہتے تھے سارے دیکھ لو باغی یزید کے
عبرت سے اِن کو دیکھو، مزے لے لو عید کے

نیزے پہ سر حسینؑ کا پڑھتا تھا آیتیں
زینبؑ بیان کرتی تھیں ساری روایتیں
تھیں ظالموں کے باب میں ساری حکایتیں
نے لب پہ کوئی شکوے گلے، نے شکایتیں
الحمد اور درود ہی پڑھتے تھے سب اسیر
قصرِ بنِ زیاد میں پہنچے تھے اب اسیر

بہتا تھا خون بالی سکینہ کے کان سے
دل بیٹھتا تھا شمر جو تکتا تھا دھیان سے
گویا شقی کو کد بھی تھا اُس خاندان سے
آتش ٹپک رہی تھی دلِ آسمان سے
پہروں تک انتظار میں جلتے رہے اسیر
میلوں برہنہ پاؤں ہی چلتے رہے اسیر

لپٹا ہوا تھا اطلس و کمخواب میں لعین
نے دین پر یقیں، نہ نبوت پہ تھا یقین
اُبھری اُدھر اذان، اِدھر بولا وہ کمین
سب ڈھونگ تھا، کوئی بھی نہ تھا ختمِ مرسلینؐ
اسلام ہاشمیوں نے جو دیں بنا لیا
چالاکیوں سے سلسلۂ کیں بنا لیا

اب ہے کدھر تمھارا خدا، آئے اور بچائے
قرآں کدھر تھا نیزوں پہ جب ہم نے سَر اُٹھائے
یہ کون بیبیاں ہیں کہ بالوں میں منہ چھپائے
کرتی ہیں بین، اب اِنھیں لینے تو کوئی آئے
دنیا ہی اصل دین ہے، فتحِ مبین ہے
اسلام مٹ گیا ہے، یہ مجھ کو یقین ہے

اللہ کوئی ہے تو ہمارے ہی ساتھ ہے
باغی ہو تم یزید کے، یہ خاص بات ہے
نصرت بنو امیہ کی ہے، کائنات ہے
سمجھو کہ روز، روز ہے اور رات، رات ہے
ہم فتح مند ہو گئے، تم ہو گئے تباہ
کیا لطف تم کو دیکھ کے آیا ہے، واہ واہ

یکدم پکار اُٹھیں وہیں زینبؑ حزیں
کیا کُفر بک رہا ہے تو اے کہتر و کمیں!
کیا کر رہا ہے کیا تجھے اللہ کا ڈر نہیں!
یہ خلعت اور یہ تری پوشاک احمریں
فانی ہے سب، یہ خلق کو معلوم ہے لعین
یہ پارسائی ہی مرا مقسوم ہے لعین

یہ آن بان شان تری سب ہے عارضی
دنیا میں تیری فتح کا مطلب ہے عارضی
طور و طریق، سلسلہ اور ڈھب ہے عارضی
کیا کفر بک رہا ہے کہ مذہب ہے عارضی
ہم لوگ خانوادۂ ختم الرسلؐ سے ہیں
ہم فتح مند عزتِ مولائے کلؑ سے ہیں

ہم لوگ اہل بیتِ نبی ہیں بنِ زیاد
ہم کشتہ ہائے تشنہ لبی ہیں بنِ زیاد
ہم ہاشمی و مطلبی ہیں بنِ زیاد
تیرے یہ لفظ بے ادبی ہیں بنِ زیاد
آزار سہہ رہے ہیں تو کیا، کوئی غم نہیں
کیا وارثانِ حلقۂ خیر الامؐ نہیں

سہہ پائے گا نہ تو کبھی اللہ کا عذاب
محشر کے روز دینا پڑے گا تجھے حساب
باتوں نے میری کر دیا ہے تجھ کو لاجواب
مت بھول ہر دلیل ہماری ہے آفتاب
اک بات بھی تو کہہ نہیں پایا یقین سے
جب کچھ نہ بن پڑا تو اُلجھتا ہے دین سے

سنتے ہی سب یہ چیخ کے اٹھ بیٹھا وہ لعین
درباریوں سے کہنے لگا وہ عدوئے دین
لے جاؤ ان کو شام کے دربار، بالیقین
سردار جس کو کہتے ہیں یہ زینِ عابدینؑ
کوڑے لگاؤ اور پھراؤ گلی گلی
میں چاہتا ہوں زخم لگاؤ خفی جلی

پھر کیا تھا ناگہاں وہ ناری اُبل پڑے
ایذا دہی کے واسطے گمراہ چل پڑے
زین العبا کے خون سے چشمے نکل پڑے
اُس رشکِ مہ کی پشت پہ کوڑوں سے بل پڑے
گو بیبیوں نے گھیرا ہوا تھا امامؑ کو
لیکن ذرا بھی ترس نہ تھا اِزدحام کو

ملعوں نے پھر کہا کہ اِنہیں لے کے جاؤ شام
پیدل پھراؤ سارے، اسیروں کو گام گام
بالکل برہنہ پا تھے سو چلتے تھے خوش خرام
نے سر پہ چادریں تھیں، نہ پاؤں کھڑاؤں نام
گہ قریوں میں رکے گہے بازار تک گئے
القصہ جیسے تیسے وہ دربار تک گئے

پیشِ یزید آئے اسیرانِ بے گناہ
ملعون اُن کو دیکھ کے کرتا تھا واہ واہ
لے کر چھڑی حسینؑ کے لب پر رکھی تھی، آہ
بول اُٹھی بنتِ شیرِ شہنشاہِ رزم گاہ
ٹوٹے تمھارا ہاتھ یہ کیا کر رہے ہو تم
بوسہ گہِ نبیؐ سے بُرا کر رہے ہو تم

ملعون باز آ گیا حرکت سے اور کہا
اللہ نے جہان میں رُسوا تمھیں کیا
میں فتح مند ہو گیا اور تم برہنہ پا
لو کشتگانِ بدر کا بدلہ بھی ہو گیا
میں بادشاہ بن گیا تم اب فقیر ہو
آزاد ہوں میں آج بھی اور تم اسیر ہو

المختصر کہ قید ہوئے اہلِ بیتِ شاہ
یادِ حسینؑ میں سبھی روتے تھے آہ آہ
سب سے بلند بالی سکینہؑ کی تھی کراہ
داروغے کو یہ علم تھا یہ سب ہیں بے گناہ
زندان میں بپا ہوئی مجلس حسینؑ کی
زینبؑ ہی ذاکرہ تھیں شہِ مشرقینؑ کی

دربار میں یہ پہنچی شکایت کہ جمع ہیں
کرتے ہیں سب بیان روایت کہ جمع ہیں
زینبؑ سناتی ہیں یہ حکایت کہ جمع ہیں
سب لفظ پڑھتے ہیں آیت کہ جمع ہیں
ان کو الگ الگ کیا جائے تو خوب ہے
بچی کو سر دکھا دیا جائے تو خوب ہے

اک حکم آیا قید ہوئے سب الگ الگ
حلقہ بہ حلقہ رہنے لگے اب الگ الگ
بالی سکینہ رکھی گئی جب الگ الگ
وہ ساری عمر رہتی رہی کب الگ الگ
شدّت سے اتنی روئی کہ بے ہوش ہو گئی
سسکی وہ اِس قدر کہ عزا پوش ہو گئی

پہنچی خبر جو ہند کو بچّی کے حال کی
آنکھیں بھر آئیں رنج سے اُس خوش خصال کی
زنداں میں آئی، بچّی کی حالت بحال کی
ادنیٰ کنیز تھی وہ محمدؐ کی آل کی
اُس نے دیا یہ حکم کہ لاؤ سرِ حسینؑ
بابا کو اپنے دیکھ لے جی بھر کے نورِ عینؑ

لایا گیا حسینؑ کا سر قیدیوں کے بیچ
کیسا سلوک کرتے رہے اُس کے ساتھ نیچ
چہرہ کٹا پھٹا ہوا تھا نقش بھی تھے ہیچ
بالی سکینہؑ دیکھتی تھی آنکھیں میچ میچ
سر گود میں حسینؑ کا تھا آنکھ بھر گئی
ناگاہ فرش پر وہ گری، اور مر گئی

صدمہ گزر گیا دلِ صد پاش پاش پر
سجاد بین کرنے لگے اُس کی لاش پر
ہند آپ رونے لگ پڑی اُس خوش قماش پر
چھایا ہوا تھا غم جگرِ قاش قاش پر
زینبؑ سمیت روتے تھے اہلِ حرم سبھی
کہتے تھے آج بھول گئے ہم کو غم سبھی

چھوٹی سی قبر قید میں کھودی امامؑ نے
بچی کو اُس میں دفن کیا خوش کلام نے
کیا کوہِ غم کھڑا ہوا تھا سب کے سامنے
نوحہ کیا بلند اسیرانِ شام نے
لرزہ زمیں کو، سکتہ ہُوا آسمان کو
کیسا عوض دیا گیا اُس خاندان کو

بس بس نہ پڑھ مصائبِ معصومۂ جہاں
کیا ہے ترا کلام و بیاں، کیا تری زباں
یوں ہے غمِ حسینؑ ہُوا تجھ پہ مہرباں
اختر ترے وجود سے قائم ہے آسماں
باغِ غمِ رسولؐ ابد تک کِھلا رہے
تارِ حسینیت ترے دل میں سلا رہے

ساقیٔ اربابِ ذوق

PDF BOOK COMPANY

مدد، مشاورت، تجاویز اور شکایات :

Muhammad Husnain Siyalvi
0305-6406067
Sidrah Tahir
0334-0120123
Muhammad Saqib Riyaz
0344-7227224

پس نوشت

چشمِ گرسنہ کو ہفت اقلیم بھی کافی نہیں، چشمِ گریاں کے لیے ایک "اشک آباد" بہت ہے۔ اختر عثمان، اسی اقلیم میں، ایک مدت سے، گلیم پوش و گلاب پاش گرداں ہے۔ اختر عثمان کا دل، دل بیدل ہے :

آنچہ ما درکار داریم اکثری در کار نیست

(بیدل)

اور اختر عثمان کی چشم، چشم طالب:

بی نیازانہ ز اربابِ کرم می گذرم
چون سیہ چشم کہ ازسرمہ فروشان گذرد

(طالب آملی)

اسی دل کی بدولت وہ دولتِ دنیا اور دنیائے دولت سے، دسترس ہونے کے باوصف، دست کش ہے، اور اسی چشم کے سبب دُرہائے اشک سے مالامال ہے۔ اسی دل نے، اسے ہر غم سے آزاد کیا ہے اور اسی چشم نے اسے غمِ حسینؑ کے "اشک آباد" میں آباد کیا ہے۔

اختر عثمان مضمون آفرینی میں اپنی تمام تر جدیدیت کے باوجود، اپنے

مزاج و اسلوب میں کلاسیکی ہے۔ سو اس کے شعر کی شناخت، اپنی جڑوں سے جڑے رہتے ہوئے، اپنے شجرِ سخن کی شاخوں کو مزید سربلند و سرسبز کرنا اور اپنی روایات سے منسلک ہوتے ہوئے، اپنے تیشۂ فن سے نئی راہیں تراشتے رہنا ہے۔ انھی روایات کے تحت اس نے "اشک آباد" میں شامل مرثیوں کو عنوانات نہیں دیے ہیں، جو عہد حاضر میں کہے جانے والے مرثیوں سے مخصوص ہیں لیکن اس کے ہاں مرثیہ کا چہرہ، مانوس خدوخال رکھنے کے باوجود، واضح طور پر تازہ تر و تابناک ہے۔ جوش کی پیروی کے جوش میں اکثر جدید مرثیہ نگاروں نے رونے کو کمزوری گردانتے ہوئے، مرثیے سے، مرثیے کے اشک ریز و اشک آور بیانیہ بیانیے کو بیدخل کر دیا ہے لیکن اختر عثمان نے مرثیہ کے اس بنیادی عنصر کو برقرار رکھتے ہوئے، کتاب کے نام میں بھی اشک کو اولیں حیثیت دی ہے۔

آنسوؤں کے دینی، طبی، تہذیبی، ثقافتی اور سماجی علمی مطالعات کے ضمن میں Adam Wordsmith نے جس شعبۂ علم کے لیے Lacrimalogy کا نام تجویز کیا تھا، ان سطور کے راقم نے، اس کے لیے 'اشکیات' کی اصطلاح وضع کی تھی اور یہ کہا تھا کہ "اشکیات" کی دنیا اور ہے اور "اشکیات" کی دنیا اور۔ اشک کوئی یک قطرہ آب بے فیض و بے فائدہ نہیں ہے، دریافت کیے جائیں تو کتنے بحر بے پایاں ہیں جو اس ایک قطرے میں پنہاں ہیں جسے اشک کہتے ہیں۔ اختر عثمان کی "اشک آباد" اشک و مرثیہ کی اسی وسعت و رفعت کا اظہاریہ ہے۔

کئی حوالوں سے یہ "اشک آباد" رشک آباد ہے۔ اختر عثمان کی شاعری جہاں ایک جانب، بیدل و غالب جیسی فکری گہرائی کی آئینہ دار ہے، وہیں ناسخ و آتش و انیس کی مانند زبان و بیان پہ ماہرانہ گرفت کی عکاس بھی ہے۔

اختر عثمان کی فصاحت کی فضیلت میں وہ کہا جا سکتا ہے جو مصحفی نے

خود اپنے متعلق لکھا ہے:

بطن مادر میں مجھ کو لکھتا تھا
امراء القیس افصح الفصحا
اور میں طفل ناکشودہ زباں
تھا امامِ زماں کا مدحت خواں

تاہم، چونکہ اختر عثمان کے قریباً ہر مرثیے کا آغاز دعا سے ہوتا ہے۔ سو، ان سطور کا اختتام بھی دعا پہ ہے۔ میر علی اوسط رشک نے ناسخ کے لیے کہا تھا:

افصح ہند ہیں آباد ہے اقلیمِ سخن
یا الٰہی رہیں آباد جنابِ ناسخ

یہاں، یہی دعا، اختر عثمان کے لیے یوں ہے:

افصح پاک ہیں آباد ہے یہ "اشک آباد"
یا الٰہی رہیں آباد جنابِ اختر

۳ شعبان المعظم

ڈاکٹر سید شبیہ الحسن رضوی

اردو مرثیہ کے حوالے سے انیس و دبیر نے جو فکری و فنی سطح پر معیار بندی کی اس پر پورا اترتے ہوئے اپنی راہ بھی نکال لینا مرثیہ نویسی کی تاریخ میں ممکن نہیں ہو پایا، اسی لئے کہا جاتا ہے کہ اردو مرثیہ انیس و دبیر سے آگے نہیں بڑھا۔ اس دوران کیسے کیسے مرثیہ گو آئے جن میں نئے تجربات کرنے والے شعرا بھی تھے تاہم وہ بات نہ بن پائی۔ اختر عثمان کے مرثیہ کو پڑھتے ہوئے میں یہ بات پورے وثوق اور اطمینان سے کہہ سکتا ہوں کہ انیس و دبیر کی روایت کی مکمل پاسداری کرتے ہوئے جو کہیں کچھ ان سے رہ گیا تھا اختر عثمان نے مرثیہ کی جوہری قدروں میں انہیں بھی شامل کر دیا، میں کہوں گا اردو مرثیہ نے تین شاعر پیدا کئے ہیں اور تینوں ایک ہی روایت کے فکری و فنی اعتبار سے مؤقر ترین شعرا ہیں یعنی انیس و دبیر و اختر عثمان۔ "اشک آباد" کی اشاعت انیس و دبیر کے مراثی کی اشاعت کے بعد تیسرا عظیم ترین واقعہ ہے۔

——— ڈاکٹر صلاح الدین درویش

اسلام آباد (پاکستان)

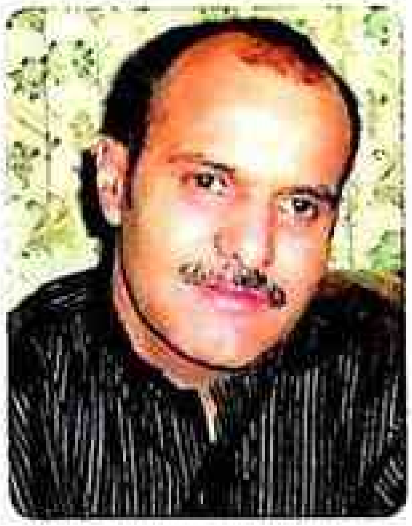

اخترعثمان کی بنیادی شناخت اردو غزل ہے۔اس صنف میں انہوں نے کلاسیکی اسلوب میں رہتے ہوئے اپنا خاص رنگ اختیار کیا ہے اور موضوعاتی سطح پر جدت و اختراع کو اپنے فن کا بنیادی جوہر اور حوالہ بنایا ہے۔مرثیہ کی صنف میں انہوں نے براہ راست انیس و دبیر کی روایت میں رہتے ہوئے اپنے فن کے کمالات دکھائے ہیں اور وہ بھی یوں کہ روایت کا تسلسل پوری آب وتاب کے ساتھ جاری دکھائی دیتا ہے۔اردو نظم میں انہوں نے الگ راستہ اختیار کیا ہے اور اس میں بھی کلاسیکی اردو اور فارسی شعری متون کے شکوہ نے ان کی نظموں کے موضوعات کو ایک ایسے اسلوب میں ڈھال دیا ہے جو صرف اخترعثمان کی شناخت قرار پایا ہے۔شعری اصناف کے علاوہ تنقید بھی ان کا فکری میدان ہے چنانچہ اسی برس ان کی کتاب "بیدل ایک مطالعہ" کے عنوان سے منظرِ عام پر آچکی ہے جس میں برصغیر کے اس عظیم شاعر کی ان فکری جہات سے بحث کی گئی ہے کہ جن کا تعلق تصوف یا عرفانیات کی بجائے روز مرہ کی انسانی زندگی اور اس کے مسائل کے ساتھ ہے۔اس حوالے سے یہ بیدل پر اپنی نوعیت کی واحد کتاب ہے۔اخترعثمان کی فارسی غزلوں کا مجموعہ بھی ابھی اشاعت کا منتظر ہے۔امید ہے جلد شائع ہو جائے گا۔اسی طرح انگریزی نظموں کا مجموعہ بھی مسودہ کی صورت اختیار کر چکا ہے۔

اخترعثمان ۱۴ اپریل ۱۹۶۷ کو اسلام آباد (پاکستان) میں پیدا ہوئے۔ابتدائی تعلیم سینٹ پالز کیمبرج سکول راولپنڈی میں حاصل کی جبکہ اعلیٰ تعلیم بطور پرائیویٹ امیدوار جاری رکھی۔ان کی غزلوں کے چھ مجموعے شائع ہو چکے ہیں، نظموں کی کتاب ستارہ ساز بھی شائع ہو چکی ہے اور ایک طویل نظم "تراش" کے عنوان سے الگ شائع ہوئی ہے۔ان کے تین منتخب مراثی کا مجموعہ "اشک آباد" حال ہی میں پاکستان سے شائع ہوا اور اب اس کی دوسری اشاعت کا اہتمام ادارہ میٹرلنک لکھنؤ سے ہو رہا ہے۔

______ ادارہ

ISBN 978-93-90887-38-5

9 789390 887385 >

₹350.00

MATTERLINK
PUBLISHERS
1870, Ist Floor Lekhraj Dollar, Indira Nagar, Lucknow
E-mail: aglawaraq@gmail.com , intisharaat@gmail.com
Website: www.matterlinkbooks.com